حصہ اول

مواعظ نعیمیہ

از تصانیف
مفتی احمد یار خانصاحب
نعیمی بدایونی

نوری کتب خانہ بازار داتا صاحب لاہور

بابو برکت علی ولد امام الدین سکنہ اداوان بقلم خود

۹۲ — ۶۸۶

پندہا دادیم حاصل شد فراغ ٭ ما علینا یا اخی الا البلاغ

الحمد للہ کہ مجموعہ تقاریر دینیہ مزینیہ بدلائل یقینیہ

مسمّٰی بہ

مواعظ نعیمیہ حصّہ اوّل

جس میں حضرت مولانا الحاج مفتی احمد یار خاں صاحب مدظلہم بدایونی کے
وہ معرکۃ الآرا چند وعظ جمع کر دیئے گئے ہیں جو آپ نے مختلف مجالس میں
برجستہ ارشاد فرمائے

مؤلفہ

خادم العلماء والفقراء حافظ محمد عارف عفی عنہ ٹیچر فارسی پبلک ہائی سکول گجرات

حسب فرمائش

حضرت فیض الاثر قبلہ اولاد رسول سید محمد معصوم شاہ صاحب قادری نوری مدظلہم
چک سادہ ضلع گجرات پنجاب

نوری کتب خانہ بازار داتا گنج بخش صاحب لاہور

قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ وَکَفٰی وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الۡاَنۡبِیَاءِ مُحَمَّدِنِ الۡمُصۡطَفٰی وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصۡحٰبِهِ الۡبَرَرَةِ التُّقٰی ٭

شکر ہے اُس ارحم الراحمین کا جس نے ہدایت انسانی کے لئے انبیاء کرام صلوات اللہ علیہم بھیجے۔ پھر آخر میں آفتاب نبوّت ماہ تاب رسالت پر یہ سلسلہ ختم فرمایا۔ اور اُس امام المرسلین خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلم کی ظاہری و باطنی تعلیم جاری رکھنے کے لئے علماء و صوفیاء کا سلسلہ تا قیامت قائم کیا۔ اور علمائے کرام کے زبان و قلم و صوفیائے عظام کے نفوس قدسیہ کو شریعت و طریقت کا ستون بنایا مبارک ہیں وہ آنکھیں جو ان نائبین پیغمبر کی زیارت کریں۔ مبارک ہیں وہ کان جو اُن کے کلام سُنیں۔ اور مبارک ہیں وہ دل جو اُن کے برکات و فیوض کے خزانہ بنیں۔ سعید ہیں وہ لوگ جن کی عمر کا کچھ حصّہ اُن کی تحریر پڑھنے، اُن کا کلام سُننے، اُن کی صحبت حاصل کرنے میں گزرے۔ کیا ہی مبارک تھی وہ گھڑی جب مولانا الحاج مفتی احمد یار خاں صاحب نعیمی بدایونی گجرات میں رونق افروز ہوئے جناب نے صوبہ پنجاب میں تشریف لا کر زبان و قلم کے ذریعہ گجرات ہی نہیں بلکہ سارے پنجاب میں علم کی روشنی پھیلا دی۔ آپ کے فیض قلم سے پنجاب ہی نہیں بلکہ دیگر صوبے بھی مستفیض ہوئے ٭

چنانچہ آپ کی تصنیفات جاء الحق، شانِ حبیب الرحمٰن، سلطنتِ مصطفےٰ، اسلامی زندگی، دیوانِ سالک، تفسیر نعیمی سورۂ بقرہ و آلِ عمران اور

اسرار الاحکام کے فیوض و برکات پنجاب ہی میں محدود نہ رہے، بلکہ ہندوستان و ہستان کے ہر گوشہ میں پہنچے۔ جہاں قلمی فیوض کا چشمہ بہ رہا ہے۔ وہاں ہی زبانی برکات بذریعہ مواعظ و تقاریر مسلمانوں کے قلوب کو منوّر کر رہے ہیں۔ لہٰذا مَیں نے چاہا کہ قلمی خدمات کی طرح زبانی خدمات کا فیض بھی عام کیا جاوے۔ چنانچہ اُن بکھرے ہوئے موتیوں کو ایک جگہ کتابی شکل میں جمع کیا گیا۔ اور اُن رنگ برنگے پھولوں کا گلدستہ بلکہ ایک ہار تیار کیا۔ رب تعالیٰ اس ہار کو میری جیت کا ذریعہ بنائے۔ مَیں مسلمانوں کی خدمت میں یہ قیمتی مزیّن ہار پیش کر رہا ہوں۔ درحقیقت یہ اُن تقریروں کا مجموعہ ہے۔ جو حضرت مفتی صاحب مدظلہ نے صوبہ پنجاب میں مختلف مجالس میں برجستہ فرمائیں۔ ناظرین دیکھیں گے۔ کہ تقریریں کیا ہیں، فیوض ربانی ہیں۔ علمی تحقیق، فیوضانہ نکات، والہانہ مضامین، مسائل کے دلائل، مخالفین کے جوابات اولیاء اللہ کی حکایات کا چشمہ ہیں۔ انشاء اللہ اس کتاب کے ذریعہ معمولی استعداد کے طلباء بہترین واعظ و مبلّغ اور عام مسلمان اعلےٰ محقق بن سکتے ہیں ؛

لیجئے کتاب حاضر ہے۔ اِس سے اپنے جلسوں کی رونق بڑھایئے۔ اپنے مجالس کی زینت دوبالا کیجئے۔ تنہائی میں اِس کے مطالعہ سے لطف اُٹھایئے۔ غرضیکہ خلوت و جلوت میں اس کی بہاریں لُوٹیئے۔ اِس کے مطالعہ سے آنکھیں ٹھنڈی، دل منوّر، ایمان تازہ کیجئے۔ اگر پسند آجائے تو مجھ مؤلف کے لئے دعاء خیر فرما دیجئے۔ اسی لالچ میں یہ محنت کی گئی ہے ؎

ایکہ بر ماے روی دامن کشاں ؛ از سر اخلاص الحمدے بخواں

وصلے اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیّدنا محمّد و آلہ و اصحٰبہ اجمعین برحمتہ ارحم الراحمین ؛

حافظ محمد عارف فارسی ٹیچر پبلک ہائی سکول گجرات پنجاب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا الآیہ یہ آیت کریمہ نعت پاک مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کا گنجینہ ہے۔ اس میں واقعہ معراج کا اجمالی ذکر ہے تین باتیں اس جگہ قابل غور ہیں:۔
(۱) معراج کیوں ہوئی (۲) کس طرح ہوئی (۳) اس سے کیا نصائح حاصل ہوئیں

معراج چند مصلحتوں سے ہوئی

اولاً یہ کہ تمام انبیائے کرام کو جو مراتب فرادی فرادی ملے، وہ سب جمع ہوکر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطا ہوئے۔ حضرت خلیل پہ آگ گلزار ہوئی۔ تو جس دستر خوان سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دست مبارک پونچھے، وہ تنور میں نہ جلا۔ حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے مُردوں کو زندہ فرمایا۔ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام سے حضرت جابر کے دو فرزند زندہ ہوئے۔ دیکھو خوبی حضرت مسیح علیہ السلام نے مُردے زندہ کرکے اپنی گواہی لی۔ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سوکھی لکڑیوں اور کنکروں سے اپنا کلمہ پڑھوالیا۔ حضرت کلیم علیہ السلام نے عصاء مار کر پتھر سے پانی پیدا کیا۔ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی انگلیوں سے پانی کے چشمے پیدا ہوئے حضرت جابر کے یہاں کچھ دم فرمادیا، تو شوربا اور بوٹیاں اور آٹے میں برکت ہوئی بلکہ حضرت جابر کی بی بی کے ہاتھ میں یہ طاقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہی توجہ سے آئی۔ کہ سینکڑوں آدمیوں کا کھانا پکالیا۔ چونکہ حضرت کلیم نے طور پر رب تعالےٰ سے کلام کیا، حضرت مسیح چہارم آسمان پہ تشریف لے گئے۔ تو ضرور تھا کہ

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو معراج ملے۔ جو سب سے بڑھ کر ہو ؞

کلیم اللہ طور پر تشریف لے گئے، کلمتہ اللہ چہارم آسمان پر، کلمات اللہ یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام عرش سے آگے۔ کلمات اللہ کے برکات یہ ہیں کہ اس میں بلندی ہے ؞

دوم۔ تمام نبیوں نے خدا کی ذات وصفات، جنّت و دوزخ کی گواہی دی۔ مگر کسی نے آنکھ سے نہ دیکھا تھا۔ اور شہادت کی تکمیل یہ ہے۔ کہ یا تو شاہد نے واقعہ خود دیکھا ہو۔ یا دیکھنے والے سے سُنا ہو۔ لہٰذا ضرورت تھی۔ کہ گروہِ انبیاء میں ایک ہستی ایسی بھی ہو، جس نے یہ تمام چیزیں اپنی آنکھ سے دیکھی ہوں۔ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝ میں اسی طرف اشارہ ہے۔ اور اسی وجہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خاتم الانبیاء کہا گیا۔ کہ شہادت ختم ہو چکی۔ گویا اور انبیائے کرام کی خبریں اسناد تھیں اور حضور پر یہ اسناد ختم ہوئی ؞

سوم۔ خدائے قدوس نے فرمایا کہ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ اللہ خریدار، مسلمان بائع، اور سودا ہوا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی معرفت سے۔ ضروری ہے کہ جس کی معرفت سے سودا ہو، وہ قیمت اور مال کو خود دیکھے۔ تو فرمایا گیا۔ کہ اے محبوب تم نے مسلمانوں کی جانوں اور مالوں کو ملاحظہ فرمالیا۔ اب آؤ جنّت و دوزخ کی بھی سیر کر لو، ہم نے تم کو دیکھا، تم بھی تو ہم کو دیکھ لو۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دیکھنا مسلمانوں کا دیکھنا ہے قرأۃ الامام له قرأۃ ؞

چہارم۔ عرش و فرش اور تمام عالم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطا فرما دیئے گئے اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ۔ اسی لئے جنّت کے دروازے پر پتّہ پتّہ اور ڈالی ڈالی پر لکھا ہے لا اله الا الله۔ محمد رسول الله یعنی یہ تمام چیزیں

کارخانۂ قدرت الٰہیہ کی بنی ہوئی ہیں۔ محمد رسول اللہ کی ملکیت میں دی ہوئی ہیں۔ اور قاعدہ ہے کہ جس کی چیز اسی کا نام منظور الٰہی ہوُا۔ کہ مالک کو اُس کی ملکیت دکھا دی جاوے ؂

پنجم ؎ اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا
جب نہ خدا ہی چھپا تم پہ کروڑوں درُود

معراج کس طرح ہوئی

نبوّت کے گیارہ برس چھ ماہ کے بعد رجب کی ۲۷ تاریخ کی آخر شب یعنی شب دوشنبہ کو حضرت امہانی کے گھر سے ہوئی جس کا مختصر واقعہ یہ ہے۔ جو بخاری و مسلم وغیرہ میں بیان ہوَا۔ کہ رجب کی ستائیسویں رات ہے۔ شب کا آخری حصہ ہے۔ حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم اپنی ہمشیرہ امہانی بنتِ ابوطالب کے دولت خانہ میں آرام فرما ہیں۔ کہ حضرت جبریل امین براق اور برات لے کر حاضر ہوئے۔ پیغام الٰہی لائے۔ اپنے کافوری بازو مبارک تلووں سے مل کر حضور علیہ السلام کو جگایا۔ رب تعالےٰ کا پیغام پہنچایا۔ سینہ بے کینہ کو چاک فرما کر آبِ زمزم سے قلب پاک کو دھویا، پھر اس سینہ فیض گنجینہ کو حکمت و نور سے بھرا، پھر آبِ کوثر سے غسل کرایا، حضور کو دولہا بنایا، حلّہ بہشتی پہنایا، براق حاضر کیا، جس کی برق رفتاری عقل سے باہر ہے ؎

تھا براق نبی پاک نورِ نظر ؂ یہ گیا وہ گیا اور نہاں ہو گیا

حضرت جبریل نے لگام پکڑی، اسرافیل علیہ السلام پیچھے ہوئے، ملائکہ نے چاروں طرف سے براق کو گھیر لیا۔ اس شان سے اس نرالے دولہا کی سواری مکہ معظمہ سے روانہ ہوئی۔ آن کی آن میں بیت المقدس آیا، وہاں تمام انبیاء اور

رسل و ملائکہ کو موجود پایا۔ کہ استقبال کے لئے حاضر ہیں۔ اور نماز کی تیاری ہے۔ امام الانبیاء کا انتظار ہے۔ دولہا کا پہنچنا تھا۔ کہ سب نے سلامی مجرا ادا کیا۔ تمام انبیاء اور فرشتے مقتدی بن کر صف بستہ پیچھے کھڑے ہوگئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ نے امامت فرمائی۔ سبحان اللہ کیا نماز ہے۔ کہ انبیاء مقتدی، امام الانبیاء امام پہلا قبلہ جائے نماز ملائکہ مقربین مؤذن (جبریل علیہ السلام نے اذان و تکبیر کہی ؎ نماز اسریٰ میں تھا یہ ہی سرّ ٭ عیاں ہوں معنے اول آخر

کہ دست بستہ ہیں پیچھے حاضر ٭ جو سلطنت پہلے کر گئے تھے

اس نماز سے فارغ ہونا تھا۔ کہ سفر آسمان تیار تھا، وہ ہی براق، وہ ہی برات، وہ ہی دولہا، وہ ہی براتی، آن کی آن میں، پہلا آسمان آیا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے استقبال کیا۔ اپنے فرزند کی بلائیں لیں، مدتوں بعد تمنا بر آئی مرحبا کہا۔ پھر یکے بعد دیگرے آسمان آتے گئے، گذرتے گئے۔ دوسرے آسمان پر حضرت یحیٰی و عیسٰے، تیسرے پر حضرت یوسف، چوتھے پر حضرت ادریس پانچویں پر حضرت ہارون، چھٹے پر حضرت موسٰے، ساتویں پر حضرت ابراہیم علیہم الصلوٰۃ والسلام زیارتِ سرکار سے مشرف ہوئے۔ یہاں سے گذرنا تھا کہ سدرہ سامنے آیا۔ یہ سدرہ حضرت جبریل کے لئے سدّ راہ بن گیا۔ پھر یہ حال ہوا ؎

بفورِ صدا سما پہ بندھا ٭ یہ سدرہ اٹھا وہ عرش جھکا

صفوفِ سما نے سجدہ کیا ٭ ہوئی جو اذاں تمہارے لئے

جبریل امین نے آگے جانے سے معذرت کی۔ فرمایا کہ جبریل یہ طریقہ ہمراہی نہیں۔ کہ ساتھ چھوڑ دو۔ عرض کیا ؎

اگر یک سرِ موئے برتر پرم ٭ فروغِ تجلّٰے بسوزد پرم

آگے یا تو لے جانے والا رب جانے یا جانے والے محبوب، کہ کہاں گئے۔ وہاں گئے جہاں کہاں ہی ختم ہو چکا تھا ؎

کسے ملے گھاٹ کا کنارا ؛ کدھر سے گذرے کہاں اُتارا
بھرا جو مثل نظر طرارہ ؛ وہ اپنی آنکھوں سے خود چھپے تھے

رب نے کیا دیا، محبوب نے کیا لیا۔ رب نے کیا فرمایا اور مصطفےٰ نے کیا سُنا۔ اور حبیب و محبوب، طالب و مطلوب میں کیا راز و نیاز ہوئے۔ یہ تو وہ دینے والا اور یہ لینے والے جانیں۔ قرآن کریم نے بھی یہ بھید نہ کھولا۔ بلکہ فرمایا فاوحیٰ الیٰ عبدہٖ ما اوحیٰ۔ ہاں اتنا پتہ لگا ہے۔ کہ وہاں اُمّت گنہگار کا ذکر بھی آیا۔ اور رب کی طرف سے دن و رات میں پچاس نمازوں کا مبارک تحفہ ملا۔ واپسی پر موسےٰ علیہ السلام کی عرض پہ پانچ پانچ کم ہو کر صرف پانچ باقی رہیں۔ نیز اسی سفر میں جنت و دوزخ کی سیر بھی فرمائی۔ کہ جو واقعات بعد قیامت ہونے والے تھے، وہ اسی شب ملاحظہ فرمائے۔ چنانچہ ایک جماعت کو گرم پتھر کھاتے ملاحظہ فرمایا۔ جبریل علیہ السلام نے عرض کیا کہ یہ بخیل مالدار ہیں جو مال کی زکوٰۃ نہیں دیتے۔ ایک شخص کو خون کے دریا میں کھڑا دیکھا۔ تو جبریل علیہ السلام نے عرض کیا۔ کہ یہ سُود خوار ہیں جو غریبوں کا خُون چُوستے تھے۔ ایک قوم کو ملاحظہ فرمایا، جن کی زبانیں اور ہونٹ قینچیوں سے کاٹے جارہے ہیں۔ جبریل علیہ السلام نے عرض کیا۔ کہ یہ بے عمل عالم ہیں، جن کے کردار گفتار کے مطابق نہیں تھے۔ بعض لوگوں کو دیکھا، جن کے ناخن تانبے کے ہیں۔ جن سے وہ اپنے جسم و چہروں کو زخمی کر رہے ہیں۔ حضرت جبریل نے عرض کیا کہ یہ چغل خور اور غیبت کرنے والی قوم ہے ؛

واقعہ معراج میں حسب ذیل نکات ہیں :- (۱) نبوّت کی مدّت

۲۳ سال ہے۔ جس کے نصف ½ ۱۱ سال میں معراج ہوئی۔ نبوت کا سال ربیع الاوّل سے شروع ہے۔ جس کے بالکل وسط میں رجب واقع ہے۔ ہفتہ شرعاً جمعہ سے شروع ہوتا ہے۔ دوشنبہ بالکل اُس کے وسط میں ہے۔ جس میں اشارہ ہے کہ اس نبی کا دین درمیانی دین ہے۔ اور اُمّت اُمّتِ وسط وکذٰلک جعلنا کم وسطاً لّتکونوا الآیۃ لہٰذا معراج ماہ رجب دوشنبہ کی شب میں ہوئی ؛

(۲) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت، ہجرت، مدینہ منوّرہ میں داخلہ، عطاءِ نبوت، معراج اور وفات تمام امور دوشنبہ کو ہوئے۔ اسی لئے اس دن کا نام ہے یوم الاثنین۔ اور حضور کا درجہ ہے :۔

بعد از خدا بزرگ توئی قصۂ مختصر

غرضکہ دوسرے درجہ والا دوسرے دن میں ہر نعمت سے سرفراز فرمایا گیا۔ اسی لئے اُردو والے اس دن کو پیر کہتے ہیں۔ کہ تمام ایام ہفتہ اِس سے مستفیض اور یہ فیاض ہے ؛

(۳) معراج رات میں ہوئی۔ وہ بھی آخری رات ۲۷ کی۔ کہ نہ دشمنوں کو علم ہوا، اور نہ دوستوں کو خبر۔ دو وجہ سے۔ اول تو اس لئے کہ معراج میں وصال ہے۔ اور وصال کے لئے رات موزون۔ اسی لئے عبادات و راز و نیاز کے لئے رات موزون مانی گئی ہے۔ دوم۔ اس لئے کہ آج حقیقت محمدیہ اصلی رنگ میں جلوہ گر ہے۔ کس آنکھ میں طاقت ہے کہ اس کو دیکھ سکے۔ ہاں ملائکہ کی آنکھ ہی ہے جو اس جلوے کی متحمل ہو۔ اُن میں بھی حسب طاقت ہی ساتھ دے سکے۔ اس شب حضور کی مثال آفتاب کی سی تھی۔ کہ جوں جوں چڑھتا ہے نور بڑھتا ہے

معراج کی شب ہمراہ ہیں سب سدرہ آیا کوئی نہ رہا
سدرہ سے بڑھے جبریل رہے تنہا ہیں جو عرشِ خدا پایا

(۴) بیت المقدس میں انبیاء کی امامت فرمائی۔ کہ آپ نبی الانبیاء اور امام الحرمین کے لقب سے کتب سابقہ میں ملقب ہیں۔ نیز ارشاد ہوا ہے ھوالاول والاخر آج اس کا ظہور ہے۔ کہ سلاطین اولین مقتدی بن کر پیچھے حاضر ہیں ؂

(۵) انبیائے کرام سے آسمانوں پہ ملاقات ہوئی جس سے معلوم ہوا۔ کہ براق کی رفتار بایں تیزی خراماں تھی۔ انبیائے کرام ابھی بیت المقدس میں تھے۔ اور ابھی استقبال کے لئے اپنے اپنے مقامات پر آسمان میں پہنچ گئے۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ انبیائے کرام اور ارواح مقدسہ کی رفتار نگاہ کی رفتار سے بھی زیادہ تیز ہے ؂

(۶) اولاً پچاس وقت کی نماز فرض ہوئی۔ پھر سیدنا موسےٰ علیہ السلام کے بار بار عرض کرنے پر پانچ رہیں۔ اس میں چند حکمتیں تھیں۔ اولاً تو یہ کہ لوگ جان جاویں کہ ارواح مقدسہ بعد موت کے بھی زندوں کی امداد کرتی ہیں۔ کہ موسےٰ علیہ السلام کی امداد سے پچاس نمازوں کی پانچ رہ گئیں۔ دوم یہ کہ موسیٰ علیہ السلام ملاحظہ فرمالیں کہ حضور کو وہ درجہ عطا ہوا ہے کہ بے تکلف بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہو جاویں۔ نہ روزوں کی قید اور نہ نعلین پاک کے اتارنے کا حکم۔ سوم یہ کہ عرش معلےٰ کو بار بار قدم پاک مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم سے شرف یابی کا موقعہ ملے۔ چہارم۔ اس لئے کہ حضرت موسےٰ علیہ السلام نے عرض کیا تھا رَبِّ اَرِنِی اس وقت موقعہ نہ ملا۔ آج بتوسط مصطفےٰ علیہ السلام خوب خدا کا دیدار کرلیں ؂

(۷) معراج پر ناواقفوں کے کچھ اعتراض ہیں۔ اولاً یہ کہ جسم ثقیل اوپر نہیں حرکت کرسکتا۔ دوم یہ کہ درمیان میں آگ اور زمہریر ہے۔ وہاں سے انسان کی گذر ناممکن ہے۔ سوم یہ کہ آسمان میں دروازہ نہیں۔ کس طرح داخلہ ہوا۔

چہارم یہ کہ ہزار ہا سال کا راستہ اتنی دیر میں کس طرح طے ہوا۔ کہ واپسی پہ زنجیر ہل رہی تھی۔ اور بستر پاک گرم تھا۔ ان سب کا جواب فقیر کے ہتھر کی طرح صرف ایک ہے۔ کہ حضور نور ہیں اور نور کے لئے یہ کوئی بات مشکل نہیں۔ نورِ نظر عینک میں سے نکل جاتا ہے۔ بغیر دروازے کے آناً فاناً آسمان پر ہو کر لوٹتا ہے، نہ جلتا ہے، نہ سرد پڑتا ہے ؏

آیت کے نکات

اس آیت کو سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ سے اس لئے شروع کیا گیا۔ کہ آئندہ مضمون بہت تعجّب انگیز ہے۔ اور عرب کا قاعدہ ہے۔ کہ تعجب کی بات کو سبحان اللہ سے شروع کرتے ہیں۔ نیز منظور یہ ہے کہ کوئی اعتراضات مذکورہ کی بناء پر معراج کا انکار نہ کر بیٹھے۔ اس پر نگاہ کرے۔ کہ رب تعالےٰ مجبوری اور معذوری سے پاک ہے۔ اور اسی کا یہ فعل ہے۔ اس جگہ حضور کو عبد کا فرمایا۔ رسولہ یا نبیّہٖ نہ فرمایا۔ اس لئے کہ حسب موقعہ لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ خدا کے پاس سے دنیا میں آویں گے۔ تو رسول کی حیثیت سے، اور دنیا سے خدا کی بارگاہ میں حاضری ہے تو شانِ عبدیت سے۔ نیز عبد فنا فی المولےٰ ہوتا ہے۔ کہ ذات اور مال سب مولےٰ کا۔ حضور کو درجہ فنا فی اللہ عطا فرمایا گیا، جو ولایت کا درجہ اعلےٰ ہے۔ سفر معراج کی ابتداء من المسجد الحرام ہے۔ اور انتہاء الی المسجد الاقصیٰ یعنے دور والی مسجد خواہ بیت المقدس ہو، خواہ بیت المعمور۔ غایت لِنُرِیَہٗ ؏

قرآن کریم جو کہ عالم کے لئے شفاءٌ لما فی الصّدور ہے. جس کو دنیا کے طبیب اعلیٰ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو دیا، وہ بے قراری دل کا نسخہ تجویز فرماتا ہے، ذِکرُ اللہ. ذِکرُ اللہ علاج بے قراری دل کیوں ہے. اس لئے کہ علاج نام ہے دفع سبب کا. اور اکثر اوقات اختلاجِ دل کا سبب کثرتِ گناہ ہوتا ہے. مثنوی شریف میں ہے ؎

ہرچہ آید بر تو از ظلمات وغم ❊ این ز بے باکی وگستاخی ست ہم
ابر نہ آید از پئے منع زکوٰۃ ❊ وز زنا افتد بلا اندر جہات

قرآن کریم میں ارشاد ہے وما اصابکم من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم ویعفوا عن کثیر اور ذکر حق گناہوں کے لئے ایسا ہے، جیسا کہ پلیدی کے لئے پانی ؎

ذکر حق پاکی ست چوں پاکی رسید ❊ رخت می بندد برول آید پلید

تو پلیدی گناہ سے اضطراب قلب ہے، اور طہارتِ ذکر سے اطمینانِ قلب ہوتا ہے. اسلام نے مسلمانوں کی زندگی کو ذکر الٰہی میں اس طرح گھیرا ہے. کہ کوئی وقت اس سے خالی نہیں. بچہ پیدا ہو، تو کان میں اذان دو، تکبیر کہو، ماں بچہ کو گود میں کھلائے تو خدا کے نام سے. جب بچہ سمجھدار ہو، تو یاد الٰہی کرے ؎

ذکر ش کردن از بے خردی است ❊ وصفش کردن از کم عقلی است

صبح کو اٹھو، تو پہلے نماز پڑھو، سوتے وقت نماز پڑھ کر سوو، غرضکہ ہر وقت یاد الٰہی کرو، مرتے وقت خدا کا نام لے کر مرو، غسل اور کفن اور دفن کے وقت ذکر الٰہی کرو، غرضکہ زندگی کو یاد الٰہی میں گھیر دو، کہ ابتداء بھی اللہ کی یاد پر ہو، اور انتہاء بھی، ذکر ہر عضو کا علیحدہ ہے، ذکرِ زبان شکر حق، تلاوت قرآن صدق مقال ہے، ذکرِ دل اچھے ارادے اور دل کا جاری ہونا ہے. آنکھ کا ذکر خوفِ

الٰہی سے رونا، اور آیاتِ الٰہی کو دیکھنا، غیر عورت وغیر مال پر نگاہ نہ کرنا ہے۔ ہاتھ کا ذکر بے زوروں کی امداد کرنا، قرآن کریم چھُونا۔ پاؤں کا ذکر محبوبانِ الٰہی کی زیارۃ اور مسجد اور مقاماتِ متبرکہ میں جانا۔ غرضکہ ہر عضو کا ذکر علیحدہ ہے، اِس کا لحاظ ضروری ہے۔

ذکر تین طرح کا ہے، ذکر عام، ذکر خاص، ذکر خاص الخاص۔ ذکر عام، ذکر زبانی ہے، ذکر خاص دل جاری، ذکر خاص الخاص، ذکر خیالی ؎

تجھ ہی کو دیکھنا، تیری ہی سُننا، تجھ میں گُم ہونا
حقیقت، معرفت، اہلِ طریقت اس کو کہتے ہیں

ذکر اللہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اسمائے طیبہ میں سے ایک نام بھی ہے۔ اگر وہ مراد ہو، تو معنے ہوئے کہ ہمارے محبوب کی برکت سے بے قرار دل چین میں آجاتے ہیں ؎

اُن کے نثار کوئی کیسے ہی رنج میں ہو
جب یاد آگئے ہیں سب غم بھُلا دیئے ہیں

آخر یہ کیوں؟ یہ اس لئے کہ ہر روح کو انس و محبت ہے محبوبِ دوعالم صلے اللہ علیہ وسلم سے۔ اور محبوب کا ذکر بیمار کی دوا ہے، لقاء الخلیل شفاء العلیل۔ نیز حدیث پاک میں ارشاد ہُوا انا نور من نور اللہ وکل الخلائق من نوری۔ اس سے معلوم ہُوا، کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم ہر موجود کی اصل ہیں ؎

تو اصل وجود آمدی از نخست ٭ دگر ہر چہ موجود شد فرع تست

اور ہر شئے کو اپنی اصل پر پہنچکر قرار ہوتا ہے، اسی لئے وطن اصلی میں پہنچکر ہر شخص کو قرار ہوتا ہے۔ اسی لئے ہر ثقیل چیز اپنے مرکز کی طرف بھاگتی ہے، اور مرکز پر پہنچکر قرار پا جاتی ہے۔ حضور بھی مرکزِ عام ہیں صلے اللہ علیہ وسلم ٭

یہ عمل مجرب ہے کہ اختلاج قلب والے کے دل پہ لکھ دیا جاوے، الا بذکر اللہ تطمئن القلوب یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم، نیز بے قرار اور جس پہ جن غلبہ کرلیں، اس کے کان میں اذان کہی جاوے، کہ ان کے نام سے قرار آجاوے، اسی لئے بعد دفن قبر پہ اذان دی جاتی ہے، کہ جن دفع ہوں، اور مُردے کے دل کو سکون ہو، اور جواب نکیرین کی تلقین ہو ⁂

حکایت مثنوی شریف میں ہے۔ کہ کسی بادشاہ نے ایک خوبصورت لونڈی خریدی، اس کے حسن وجمال پہ عاشق ہوگیا، مگر دیکھا کہ لونڈی بیمار ہے بہت کچھ علاج کیا، مگر مرض بڑھتا گیا، جوں جوں دوا کی۔ بادشاہ نے کہا، کہ اگر لونڈی مرگئی، تو میرا جینا بھی بیکار ہے۔ ایک دن خواب میں دیکھا، کہ کوئی کہنے والا کہتا ہے، کہ کل فلاں راستے سے تیرے یہاں ایک مرد کامل آوے گا، جو طبیبِ قلوب ہے، اس کے ہاتھ سے لونڈی کو شفا ہوگی۔ پھر کیا تھا، بادشاہ کو رات کاٹنا مشکل ہوگیا، صبح سویرے سے ہی بادشاہ اس راستہ پہ بیٹھ گیا جو خواب میں دیکھا تھا، اچانک ایک بزرگ نورانی شکل آتے ہوئے نمودار ہوئے بادشاہ نے ان کا استقبال کیا، گھر لایا، خاطر تواضع کے بعد دلی مدعا کہا، انہوں نے مریضہ کے سرہانے بیٹھ کر معلوم کر لیا، کہ یہ مریضِ عشق ہے، اس کی نبض پہ ہاتھ رکھ کر کسی سے کہا، کہ ملکوں کے نام لینا شروع کر، جب اس شخص نے ملک بخارا کا نام لیا، تو فرمایا کہ بس ٹھہر جا، اب اس علاقہ کی ساری بستیوں کے نام لے، اس نے نام گنائے، ایک بستی کا نام جو لیا، تو مریضہ کے چہرے پر سرخی آگئی فرمایا، ٹھہر جا، اس بستی کے محلے شمار کر، اس نے شمار کئے، ایک محلے کے نام پہ مریضہ کے حال پہ اور فرق نمودار ہوا۔ فرمایا اس محلے کے گھر گن، اس نے گنے، ایک گھر کے نام پہ مریضہ نے آنکھیں کھول دیں، پھر فرمایا، کہ اس گھر کے

آدمی شمار کر، ایک آدمی کے نام پر مریضہ کے منہ سے بے اختیار آہ نکلی، اور آنکھوں سے اشک جاری ہو گئے۔ تب اسی طبیب نے بادشاہ کو فرمایا۔ کہ یہ عشق کی مریض ہے۔ اور بخارا کی فلاں بستی کے فلاں شخص پر عاشق ہے۔ کیونکہ بخاری کے نام سے اس کی نبض کی حرکت میں فرق پیدا ہوا۔ پھر اُس بستی اور اُس محلہ اور اس شخص کے نام پر تو یہ تڑپ گئی ۔

اے مسلمان! وہ تو ایک عشق مجازی کا قصہ تھا۔ اگر تو عرب کے نام پر وجد نہ کرے، اگر حجاز کے نام سے تجھ میں تڑپ نہ پیدا ہو، اگر مدینہ پاک کے نام اور وہاں کے کوچہ و بازار کے ذکر پہ تجھے جوش نہ آئے، اگر محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے ذکر پاک پر تو تڑپ نہ جائے، تو تُو اُس جھوٹی عاشق عورت سے بھی کمزور ہے ۔

انسان تو صاحب عقل ہے جانور مثلاً اونٹ، ہرن وغیرہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فریادیں کیں، لکڑیاں آپ کے فراق میں روئیں۔ اور وصال میں چین و قرار پایا۔ جیسا کہ استنِ حنانہ ۔

روح کا وطن ہے عالمِ ارواح، جسم کا وطن ہے عالمِ اجسام، اور وطن کا خط آوے، تو خوشی ہوتی ہے۔ لہٰذا ذکرِ حق روح کے وطن کا ذکر ہے۔ اس سے آرام ہونا ہی چاہیئے ۔

مولانا احمد اشرف صاحب کے تعویذ نویسی پر وہابی نے اعتراض کیا اُنہوں نے فرمایا، اُلّو، گدھا، سؤر۔ وہابی بگڑا۔ تو فرمایا کہ او ذلیل مخلوقات کے ناموں میں ایسی تاثیر ہے کہ آپ کو رنج آگیا۔ تو خالق کے نام میں تاثیر ہے کہ اس سے بیماری جاتی ہے، شفا آتی ہے ۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ

ہر چیز کی آزمائش و امتحان ہوتا ہے۔ اِس آیت میں اُن مدعیانِ باطل کا امتحان ہے جو کہتے تھے نحن ابناء اللہ واحباؤہٗ۔ فرمایا گیا کہ اپنے اِس دعوے کی دلیل لاؤ، کہ میری پیروی کرو، اطاعت اور پیروی تین طرح کی ہوتی ہے۔ اطاعت بالخوف، اطاعت بالغرض، اطاعت بالمحبۃ۔ اِن تینوں اطاعتوں میں اطاعت بالمحبّت اعلےٰ ہے، کہ وہ دل سے ہوتی ہے۔ اور دائمی۔ اسی لئے اس آیت کو محبت سے شروع کیا گیا۔ یہ نہ کہا گیا کہ ان کنتم تخافون اللہ۔ نیز اطاعت مختلف مقصدوں سے ہوتی ہے۔ مطاع کی محبت حاصل کرنے کے لئے۔ مطاع کے شر کو دفع کرنے کے لئے۔ یہاں اطاعت محبت حاصل کرنے کے لئے ہے۔ محبت بھی دو طرح کی ہوتی ہے محبت طبعی اور سببی۔ محبت طبعی، سببی سے اعلےٰ ہے، جیسے کہ اولاد سے والدین کو، وہ ہی محبت یہاں درکار، فرمایا گیا لایومن احدکم حتّٰی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین۔ یہاں محبت سے مراد طبعی محبت ہے۔ مقابلہ والدین اسی کو چاہتا ہے۔ اور یہ ہر مسلمان کو بفضلہٖ تعالےٰ حاصل ہے۔ ہر ماں اپنے اکلوتے کو ارتداد سے علیحدہ رکھتی ہے اتبعونی کے معنے ہیں پیچھے پیچھے چلے آؤ۔ یعنی نہ تو بھائی بن کر ساتھ آؤ، اور نہ باوا بن کر آگے بڑھو، بلکہ غلام بن کر پیچھے پیچھے چلے آؤ۔ وہ ہی گاڑیاں سفر کرتی ہیں جو انجن کے پیچھے رہتی ہیں۔ اگر کچھ ڈبے ریل کے شنٹنگ کے وقت انجن سے آگے لگ گئے۔ تو وہ وہاں ہی کٹ کر رہ جاتے ہیں۔ اِس سے معلوم ہوا۔ کہ ایمان اور عمل دونوں کی ضرورت ہے۔ اتباع سے مراد

ظاہری اور باطنی دونوں طرح کی اتباع ہے۔ باطنی اتباع تو خیالات، عقائد وغیرہ کو محفوظ رکھنا ہے۔ ظاہری اتباع یہ ہے۔ کہ ہر عضو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیروی کا مظہر ہو ؎

ریاضت نام ہے تیری گلی میں آنے جانے کا
تصوّر میں ترے رہنا عبادت اِس کو کہتے ہیں

اِس آیت میں محبت کو اتبعوانی سے بیان کیا۔ اور اتبعوا کو تحبّون سے یعنی محبت بھی تین طرح کی ہے۔ محبت مع عظمت، جیسے اولاد کو والد سے۔ اور محبت مع تحقیر، جیسے والد کو اولاد سے، جس کو ممتا کہتے ہیں۔ محبت مساوات کے ساتھ، جیسے شوہر کو بیوی سے، اور دوست کو دوست سے۔ اتبعوانی نے بتایا کہ محبت مع عظمت درکار ہے جس میں اتباع ہوتی ہے۔ محبت کا دعویٰ کر کے برابری کا دم نہ بھرنا ہے ؎

قل کہکر اپنی بات بھی منہ سے ترے سنی ؛ اتنی ہے تیری گفتگو اللہ کو پسند

قل فرما کر اشارۃً فرمایا کہ اے محبوب کلام تو ہمارا ہے، مگر زبان تمہاری چاہیئے۔ ہمارا پیغام اپنی زبان سے بندوں تک پہنچادو۔ کیونکہ بغیر تمہاری زبان سے ادا ہوئے مخلوق کے لئے واجب العمل نہیں ؛

۸۶

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ

اِس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ حضرت زید ابن حارثہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اپنی بیوی زینب کو طلاق دی۔ بعد میں وہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں آئیں، جس کا ذکر اس آیت میں ہے فلما قضیٰ زید

منہا وطراً زوّجنا کہا۔ سبحان اللہ تمام عورتوں سے تو نکاح زمین پر ہو، مگر حضرت زینب وہ خوش نصیب بی بی ہیں، کہ اُن کا نکاح آسمان پر ہوا، رب العالمین نے کیا۔ حضرت زید چونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متبنّٰی تھے اس لئے کفار نے اعتراض کیا، کہ حضور نے اپنی بہو سے نکاح کر لیا۔ اُن کو جواب دیا گیا۔ کہ ہمارے محبوب تو کسی مرد کے باپ ہی نہیں۔ پھر حضرت زید کی بیوی اُن کی بہو کس طرح ہو گئیں۔ کسی کو اپنا بیٹا منہ سے کہدینے سے وہ بیٹا نہیں ہوتا، نہ میراث پاوے اور نہ دیگر کام مرتب ہوں ؁

اس آیت میں چند فوائد ہیں:۔

(۱) سارے قرآن میں کسی جگہ حضور علیہ السلام کو اسم مبارک کے ساتھ ندا نہیں فرمائی گئی ؎

یا آدم است با پدر انبیاء خطاب
یا ایہا النبی خطاب محمدؐ است

اور نہ کہیں حضور کو اسم شریف سے یاد فرمایا گیا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اوصاف سے ہی تذکرہ اور ندا ہوئی۔ بجز چار جگہ کے۔ ایک تو یہاں، دوسرے وما محمد الا رسول۔ تیسرے سورۂ محمد میں وامنوا بما انزل علٰے محمد۔ چوتھے سورۂ فتح میں محمد رسول اللہ۔ آخر یہ کیوں؟ اس لئے کہ اگر قرآن شریف میں کسی جگہ بھی اسم پاک نہ ہوتا، تو قرآن پاک سے آپ کی پوری معرفت نہ ہوتی، کیونکہ پوری پہچان نام سے ہوتی ہے۔ اسی لئے نکاح میں زوجین کا نام لیا جاتا ہے۔ یہ کیونکر ہو سکتا تھا۔ کہ حضور تو خدا کی پوری معرفت کرائیں، اور خدا حضور کی معرفت ناقص فرمائے۔ نیز اس لئے کہ قرآن نے ایمان مکمل سکھایا۔ اور ایمان کے لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

کا نام جاننا ضروری ہے۔ اسی لئے کلمہ طیبہ میں نام ہی آتا ہے۔ اگر کوئی بجائے نام کے اور کسی وصف سے کلمہ پڑھے، اور آپ کا نام نہ جانے، تو مومن نہ ہوگا (روح البیان یہ ہی مقام) لہٰذا تکمیل ایمان کے لئے اسم مبارک آنا ضروری تھا۔ نیز اگر صراحتہً نام پاک نہ آتا، تو کوئی بد دین کہہ سکتا تھا، کہ یہ قرآن حضور پر نہ اُترا، بلکہ اِن صفات کا بزرگ کوئی اور تھا، کسی اور ملک میں تھا۔ اس لئے صاف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام بیان فرمایا گیا۔ کہ کسی بد دین کو اِس کا موقعہ نہ ملے، چونکہ لفظ محمّد میں حرف بھی چار ہیں۔ اس لئے چار ہی مقام پر اسم پاک بیان کیا گیا۔

(۲) اسماء پاک مصطفےٰ علیہ السلام اسماء الٰہیہ کی طرح بہت ہیں۔ حتّٰی کہ روح البیان نے دونوں اسم ایک ایک ہزار فرمائے ہیں۔ مگر اسم ذات محمد یا احمد ہے صلے اللہ علیہ وسلم۔ لفظ محمد کو اسم ذات الٰہی کے ساتھ بہت مناسبت ہے۔ وہاں حرف (۴) ہیں حرکتیں ۳، اور تشدید ایک۔ یہاں بھی یہ ہی ہے۔ البتہ وہاں تشدید پہ کھڑا زبر ہے، مگر یہاں نہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ بادشاہ، یہ وزیر اعظم۔

لا الٰہ الا اللہ میں حرف بارہ محمد رسول اللہ میں بھی بارہ حرف۔ اسی طرح ابو بکر الصدیق، عمر ابن الخطاب، عثمان ابن عفان، علی ابن ابی طالب (رضی اللہ تعالےٰ عنہم) کہ سب میں بارہ بارہ حرف ہیں معلوم ہوا کہ ان کے ناموں میں بھی مناسبت ہے، اور کاموں میں بھی۔

(۳) لفظ محمّد کے عدد ۹۲ ہیں، جس میں دہائی ۹ ہے اور اکائی ۲ ۹ کا خاصہ ہے کہ دو اکائیوں سے مل کر ہمیشہ ۹ بنے گا۔ جیسے کہ ۱ + ۸ اور ۲ + ۷ اور ۳ + ۶ اور ۴ + ۵، اسی طرح سارے پہاڑے میں کبھی ن

نہ ہوگا ؎

تیری ذات میں جو فنا ہوا، وہ فنا سے نو[۹] کا عدد بنا
جو اسے مٹائے وہ خود مٹے وہ ہے باقی اُس کو فنا نہیں

اِس ۹ میں اشارہ اس جانب ہے، کہ جو فانی فی الرسول ہو، وہ باقی ہو جاتا ہے، اکائی دو کی اس لئے کہ ان کا درجہ دوسرا ہے ؛

نیز نانک صاحب نے ایک وجہ اور بھی بیان کی ہے، وہ کہتے ہیں ؎

نام لیو جس ہکپش کو تو کر وچو گُنا تا ؛ دو[۲] ملاؤ پچگُن کرو کا ٹو بیس[۲۰] بنا
نانگ بچے سو ۹ گنے ۲ اِس میں اور ملا ؛ اِس بدہر کے نام سے نام محمد بنا

نیز اس کے عدد زبر وبینہ (میم[۹۰]) (حا) (میم[۹]) (میم[۹]) (دال[۳۵]) کے حساب سے کل ۳۱۴ ہوتے ہیں۔ اور یہ ہی عدد انبیاء ہے۔ ایک روایت کی رُو سے یعنی کل پیغمبر ۳۱۴ یا ۳۱۳ ہیں ؛

(۴) اس نام سے ہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضور خالق و مخلوق کے درمیان وسیلہ علیا اور برزخ کبرٰے ہیں ؎

ادھر اللہ سے واصل ادھر دنیا میں ہیں شاغل
خواص اس برزخ کبرٰے میں ہے حرف مشدد کا

کہ جب لفظ اللہ بولو، دونوں لب دور ہو جاتے ہیں، اور لفظ محمد بولو، تو لب سے لب مل جاتے ہیں۔ تا کہ معلوم ہو، کہ اللہ تمام مخلوق سے علیحدہ اور اعلٰے ہے۔ مگر اب اگر نیچے والے اس اعلٰے سے قرب چاہتے ہیں، تو دامن مصطفٰے پکڑیں (صلے اللہ علیہ وسلم) جس طرح کہ لفظ محمد نے زیرین لب کو اعلٰے لب سے ملا دیا، اسی طرح وہ ذات کریم پستی والوں کو رب اعلٰے سے قریب کرتے ہیں۔ اور ملاتے ہیں، کیا ہی میٹھا نام ہے ؛

(۵) عبد المطلب نے بالہام فرشتہ حضور کا نام رکھا محمدؐ۔ لوگوں نے دریافت کیا۔ کہ آپ کے خاندان میں تو کسی کا نام آج تک ایسا نہ ہوا تو آپ نے جواب دیا۔ کہ مَیں امید کرتا ہوں، میرے اس بچہ کی تمام دنیا تعریف کرے گی، محمد کے معنے ہیں بہت تعریف کیا ہوا۔ حضور کی تعریف ہر طرح ہوتی ہے۔ آپ کے عقائد کی تعریف، اعمال کی تعریف، اخلاق کی تعریف، حسن وجمال کی تعریف، حلم وعلم وعدل وکرم کی تعریف غرضکہ ہر وصف کی تعریف ہوتی ہے۔ اور ہر جگہ ہوتی ہے۔ فرش پر، عرش پر، مقام محمود میں، کوثر پہ، اور ہر ایک تعریف کرتا ہے۔ انسان، جنّ، ملائکہ، شجر وحجر، بحر وبر، کوہ وجبل ؎

معراج میں جبریل سے کہنے لگے شاہِ امم
تم نے تو دیکھے ہیں بہت بتلاؤ تو کیسے ہیں ہم
روح الامیں کہنے لگے اے مہ جبیں تیری قسم
آفاقہا گردیدہ ام مہرِ بُتاں ورزیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

(۶) جس کے لڑکیاں ہی ہوتی ہوں، کوئی بیٹا نہ ہو، یا اولاد زندہ نہ رہتی ہو تو بحالت حمل نیت کرے، کہ مَیں اپنے اِس بچہ کا نام محمدؐ رکھوں گا۔ خدا چاہے تو بیٹا ہوگا اور زندہ رہے گا۔ اسی طرح حاملہ عورت کے پیٹ پر روزانہ انگلی سے لکھ دیا کرے من کان فی ھٰذا البطن فاسمہ محمد۔ جس دستر خوان پر محمد نام کا آدمی ہو گا، کھانے میں برکت ہو گی۔ جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت سے بیٹے کا نام محمدؐ رکھے، وہ جنتی ہے۔ حضرت سلطان محمود نے ایک بار ایاز کے بیٹے کو جس کا نام محمد تھا، نام لے کر نہ پکارا، بلکہ ابن ایاز کہا، ایاز نے عرض کیا، کہ آج غلام سے کیا قصور ہؤا؟ کہ غلام زادے کا نام نہ لیا۔ فرمایا کہ مَیں

اُس وقت بے وضو تھا، اور تیرے فرزند کا نام محمد ہے، ادباً یہ نام نہ لیا ٭

سو برس کی عمر میں انتقال کیا، لوگوں نے دفن نہ کیا، حضرت موسےٰ علیہ السلام کو حکم ہؤا، کہ آپ اُس کو نماز پڑھ کر دفن کریں، کیونکہ اس نے تورات میں لفظ محمد کو دیکھ کر چوما تھا۔ اسی لئے اذان میں لفظ محمد پر انگوٹھے چومتے ہیں، کہ سنت حضرت آدم ہے۔ اور شامی میں اس کے بڑے فضائل مذکور ہوئے۔ اس کی تحقیق ہماری کتاب جاء الحق میں دیکھو ٭

(۷) اس آیت سے معلوم ہؤا، کہ کسی کو حق نہیں پہنچتا، کہ حضور علیہ السلام کو باپ کہکر پکارے، چہ جائیکہ بھائی کہنا، قرآن کریم فرماتا ہے لاتجعلوا دعاء الرّسول بینکم کدعاء بعضکم بعضاً۔ اس سے معلوم ہؤا، کہ جن القاب سے ایک دوسرے کو پکارتے ہیں، اَبّا، بھیّا، چچا وغیرہ کہکر نہ پکارو۔ نیز باپ کی اولاد حرام ہوتی ہے، اور باپ کی میراث کا حقدار بیٹا ہوتا ہے، مگر حضور علیہ السلام کی نہ تو اولاد حرام، اور نہ کوئی حضور کی میراث پادے کمافی الحدیث نیز باپ کی گواہی اولاد کے حق میں قبول نہیں، اور حضور امت کے گواہ ہیں۔ دیکون الرّسول علیکم شہیداً۔ اس سے معلوم ہؤا۔ کہ نبی علیہ السلام مردوں کے والد نہیں۔ یہ ظاہری احکام تھے۔ ورنہ حقیقت میں تو تمام دنیا کے باپ اُن کے قدم پر قربان۔ جہاں باپ بیٹے کو نہ پوچھے، وہاں آپ مدد فرمائیں

جب ماں اکلوتے کو بھولے ٭ آ آ کہہ کے بُلاتے یہ ہیں

نبی اُمّت کے لئے حکمی والد ہوتے ہیں۔ اسی لئے اُن کی بیبیاں اُمّت پر حرام ہیں۔ اب آیت کا مطلب یہ ہؤا، کہ ہمارے نبی جسمانی حیثیت سے کسی مرد کے باپ نہیں۔ ہاں روحانی حیثیت سے خاتم النبیین ہیں۔ یعنی روحانی والد، اسی لئے آپ کی اولاد ذکور باقی نہ رکھی گئی۔ کہ اگر رہتی، تو نبی ہوتی۔ اور

حضور ہیں خاتم النبیین، نیز اُن کی میراث اسی لئے تقسیم نہیں ہوتی. کہ اگر دی جاوے تو قیامت تک کے مسلمانوں کو، اور یہ غیر ممکن ہے. اگر بعض کو دی جاوے، تو اولاد روحی تو سب تھے. بعض کو میراث کیوں دی گئی. اسی لئے حضور پہ زکوٰۃ واجب نہیں، کہ زکوٰۃ اولاد کو دینا جائز نہیں. کہ اگر مسلمانوں کو زکوٰۃ دیں، تو وہ حکمی اولاد ہیں. اور اگر کفار کو دیں، تو وہ کافر ہیں، زکوٰۃ کے مصرف نہیں. ختم کے معنے مہر کے ہیں، یا انتہا کے، مہر بھی آخر میں لگتی ہے. نیز مہر لگنے کے بعد کوئی چیز پارسل وغیرہ میں نہیں داخل ہو سکتی، حضور آدم و من سواء سے مقصود ہیں، اور مقصود شے کے وجود کا سبب ہوتا ہے، مگر وجود میں شے کے بعد جیسے کہ جلوس تخت کے لئے یا پھول درخت کے لئے، اسی لئے حضور اول بھی ہیں اور آخر بھی هو الاول والاٰخر، دیکھو خطبہ مدارج. نیز متغیر شے کی انتہا ضروری ہے. جیسے کہ بڑھاپا جسم انسانی کے لئے، نبوت انبیاء میں منتقل ہوتی رہی. اس کی انتہا حضور علیہ السلام پر ہوئی ؎

۲۸۶

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝

مریض کو چاہیئے کہ شفا کے لئے طبیب کے پاس جاوے، اور نسخہ استعمال کرے. اِس آیت میں بیماران گُناہ کو طبیب دوجہان صلے اللہ علیہ وسلم کے دار الشفا میں بھیجا گیا ہے. جس دار الشفا کا یہ حال ہے، کہ بیمار آتے ہیں، تو کوئی صدیق بن کر، کوئی فاروق اور کوئی ذوالنورین اور کوئی حیدر کرار اسد اللہ بن کر نکلتا ہے. جس شخص کو جس جگہ تبلیغ کے واسطے بھیج

جاتا ہے۔ وہ اس سر حد میں پہنچکر وہاں کی زبان سے خود بخود واقف ہو جاتا ہے دیکھو خر پوتی ؛

اس آیت میں چند فائدے ہیں :۔

(۱) ھُمْ کے عموم سے معلوم ہوتا ہے، کہ ہر شخص کو وہاں کی حاضری ضروری ہے۔ ظلموا کے عموم سے معلوم ہوتا ہے، کہ کسی قسم کا ظلم ہو، شرک ہو، کفر ہو ارتداد ہو، کوئی بھی گناہ ہو، وہاں کی حاضری ضروری ہے۔ یہ وہ شفاخانہ نہیں، کہ جہاں صرف آنکھ، کان یا ہاتھ پاؤں کا علاج ہو، یہ وہ دار الشفاہے، کہ یہاں دل، جگر، ہاتھ، پاؤں، ناک، کان وغیرہ سب کا ہی علاج ہوتا ہے۔ ایک جاری دریا ہے، کہ کیسا ہی میلا آدمی آوے، جہاں غوطہ لگایا، صاف ہو گیا۔ اِذْ کے عموم سے معلوم ہوتا ہے، کہ یہ حکم صرف زندگی پاک میں ہی نہیں تھا بلکہ قیامت تک کے بیماروں کو اعلانِ عام ہے، کہ حاضر ہوں اور شفا پائیں، یہ شفاخانہ کبھی بند نہیں ہوتا ؛

(۲) اِس سے یہ بھی معلوم ہوا، کہ بعد وفات بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی اُمت کے احوال کی خبر رہتی ہے۔ ورنہ کیا قرآن کریم ایسی بارگاہ میں بھیجتا ہے۔ جس کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں۔ نیز اس سے معلوم ہوا، کہ بعد وفات بھی ارواح مقدسہ فیض پہنچاتی ہیں ؛

(۳) جآءوک سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ معافی گناہ کے لئے حاضری بارگاہ ضروری ہے۔ لیکن ہر شخص کو وہاں پہنچنے کی طاقت نہیں۔ اور اُن کی وسعتِ رحمت سے بعید ہے۔ کہ صرف اہل مدینہ یا اہل دولت جو وہاں پہنچیں، اُن تک ہی رحمت محدود رہے۔ تو وہ ایسے کریم ہیں، کہ عورتوں کے مجمع میں جب بچّوں کے مرنے پر صبر کرنے والیوں کا ثواب بیان فرماتے ہیں، تو ایک بی بی جس کا

کوئی بچہ فوت نہ ہوا تھا، اس کے جواب میں فرماتے ہیں۔ کہ اس کو جنت میں پہنچانے والے ہم ہیں۔ لہٰذا اس آیت میں جاءوک سے مراد حاضری قلب ہے۔ ابوجہل باوجود مکہ میں رہنے کے دور رہا، حضرت اویس قرنی باوجود یمن میں رہنے کے نزدیک رہے۔ اپنی اولاد کتنی ہی دور ہو، مگر دل میں رہتی ہے۔ دشمن کیسا ہی نزدیک ہو، مگر دور رہے ؎

گرچہ صد مرحلہ دورم ز بہ پیشِ نظرم ٭ وجھہ فی نظری کل غداۃ وعشے
دُورانِ باخبر در حضور ٭ نزدیکانِ بے بصر دُور

حدیث مدینتنا کیر ینفی خبثہ کما ینفی الکیر خبث الحدید سے یہ ہی مراد ہے۔ کہ اگر کوئی خبیث مدینہ پاک میں مر بھی گیا۔ تو بعد دفن نکال دیا جاوے گا۔ جیسا کہ محمد حسین نے حضرت شاہ عبد الحق مہاجر الہ آبادی سے دریافت کیا، اور خواب میں جنت البقیع میں یہ ہی معاملہ دیکھا، اور جون پور کے لڑکوں کا واقعہ، کہ ایک ڈپٹی بنا، اور ایک معمولی مدرس ڈپٹی صاحب حج کو گئے، مولوی صاحب کو نہ لے گئے۔ وہ ایک انگریز کے یہاں جس کی بیوی مسلمان تھی، لڑکی کو پڑھانے کے لئے نوکر ہو گئے۔ پھر جو یہ حج کو گئے، تو دیکھا کہ مدینہ منورہ میں ڈپٹی صاحب کی قبر میں تو وہ لڑکی ہے اور جون پور میں اس لڑکی کی قبر میں ڈپٹی صاحب ؛

(۷) بعض نادان لوگ کہتے ہیں، کہ بعد فجر مصافحہ کرنا منع ہے کہ مصافحہ تو ملاقات کے وقت چاہیئے۔ یہ وقت رخصت ہے، مگر یہ نہیں جانتے کہ ملاقات ہوتی ہے غائب ہونے کے بعد۔ غائب ہونے کی دو صورتیں ہیں جسمانی اور روحانی۔ نمازی لوگ اگرچہ ایک ہی جگہ کھڑے ہو کر نماز پڑھیں۔ مگر روحاً غائب ہیں، ان پر کلام، طعام وغیرہ سب حرام، اسی لئے نماز کے

سلام میں حکم ہے، کہ امام تو مقتدیوں کو سلام کی نیت کرے، اور مقتدی امام اور دیگر لوگوں کی، کہئے سلام کیسا ہے؟ سلام بھی ملاقات کے وقت ہوتا ہے معلوم ہوا۔ کہ یہ لوگ کہیں سے آرہے ہیں، لہٰذا سلام بھی ہوا، اور مصافحہ بھی

(۵) اس آیت سے معلوم ہوا، کہ شفاعت کے سب محتاج ہیں، کیونکہ گناہ تو خدا کا کیا، مگر حاضر کیا گیا بارگاہِ مصطفٰے علیہ الصلوٰۃ والسلام میں، اور فرمایا گیا فاستغفروا اللہ واستغفر لہم الرسول یعنی آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر خدا سے اپنے گناہوں کی معافی چاہیں، اور آپ بھی اُن کی شفاعت میں اپنے لب کو جنبش دیں۔ تو خدا اُن کی مغفرت فرمادے گا۔ معلوم ہوا کہ صرف اعمال کافی نہیں۔ کیونکہ استغفار بھی تو ایک عمل تھا، مگر اس کے باوجود حاضری بارگاہ ضروری ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوا۔ کہ صرف اعمال کا وسیلہ کافی نہیں اعمال تو مغفرت کا وسیلہ ہیں، اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام قبولِ اعمال کا وسیلہ ہیں؛

(۶) اس سے بزرگانِ دین سے مدد مانگنے کا مسئلہ بھی حل ہو گیا کہ دنیا میں محتاج غنی سے، مریض طبیب سے، رعایا بادشاہ سے مدد مانگتے ہیں۔ آقائے دو جہان سخی داتا ہیں۔ اور ہم اُن کے محتاج۔ تو کیا وجہ ہے؟ کہ اُن سے استمداد نہ کی جاوے۔ اسی لئے حضرت ماعز نے خطا کر کے عرض کیا یا رسول اللہ طہرنی۔ حضرت ربیعہ ابن کعب سلمٰی سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا سل! کچھ مانگو۔ عرض کیا اسئلك مرافقتك فی الجنۃ۔ حضور کا دروازہ رب کا دروازہ ہے۔ اور دروازے پر کھڑے ہو کر ہی سوال کیا جاتا ہے۔ اسی لئے گناہ تو کیا خدا کا، اور بھیجا گیا بابِ مصطفٰے پر، صلے اللہ علیہ وسلم ۔

بخدا خدا کا یہی ہے در ۔ نہیں اور کوئی مفر مقر
جو وہاں سے ہو یہیں آ کے ہو جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں

گر بامنی و در یمنی پیش منی ۔ گر بے منی و پیش منی در یمنی

جاءوك فرمایا، یہ نہ کہا کہ مدینہ میں آویں، اور نہ کہا عندك جس سے معلوم ہوا کہ جب گردن جھکا کہ گنہگار متوجہ ہوا، حاضر ہوگیا۔ نیز آقا تو ہر مسلمان کے پاس ہیں لقد جاءکم رسول دل میں ہیں، گھر میں ہیں۔ اسی لئے خالی گھر میں جاوے تو آقا پر سلام کہے۔ مگر ہم آقا سے غائب ہیں۔ حکم دیا گیا، تم بھی حاضر ہو۔ اس آیت کے معنے یہ بھی ہو سکتے ہیں۔ کہ وہ گنہگار آپ کے پاس آ کر اللہ کو پالیتے اور پاتے۔ کس صفت سے، قہاریت سے نہیں، جباریت سے نہیں، بلکہ صفت توابیت سے۔ تو وجد بمعنے اصاب ہے متعدی بہ یک مفعول توابًا رحیمًا حال، اللہ کو بھی پایا مولیٰ تری گلی میں ۔

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ الآیۃ

قرآن کریم نے بہت سے احکام دیئے۔ لیکن کبھی یہ نہ فرمایا کہ ہم بھی ایسا کرتے ہیں، فرشتے بھی یہ ہی کرتے ہیں، اور تم بھی ایسا کرو، مگر درود پاک کا حکم کیسا ہے۔ کہ اس کے لئے یہ سب کچھ فرمایا گیا۔ بات یہ ہے، کہ جس چیز کا حکم اہتمام سے دینا ہوتا ہے، تو بادشاہ رعایا سے کہتا ہے کہ ہم بھی ایسا کرتے ہیں، ہمارے ارکان دولت بھی اور اے رعایا تم بھی کرو، نیز ایسا کوئی کام نہ تھا، جو خالق کا بھی ہو اور مخلوق کا بھی، ہمارے کاموں سے رب پاک ہے، اُس کے کام ہم نہیں کرسکتے۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ ہمارے کام ہیں اور

پیدا کرنا، مارنا، روزی دینا رب کا کام ہے۔ ہاں درود شریف ہی ایسا کام ہے، جو رب کا بھی ہے اور مخلوق کا بھی۔ اسی لئے حکم سے پہلے اپنا ذکر فرمایا۔ حضور وہ چاند ہیں، جس پر خالق کی نظر ہے، اور مخلوق بھی اُسے تکے ؎

اس آیت میں اولاً انزالِ رحمت کی خبر ہے، بعد میں دعائے رحمت کا حکم۔ اور مانگی وہ چیز جاتی ہے جو حاصل نہ ہو۔ جب ہر دم اور ہر آن رحمت کا نزول ہو رہا ہے، جیساکہ یہ جملہ دوام استمراری و تجددی کو چاہتا ہے تو اب اسی کے لئے دعا کرنا تحصیل حاصل ہے۔ مگر بات یہ ہے کہ فقراء کا قاعدہ ہوتا ہے کہ غنی کے دروازے پر جا کر صاحب خانہ کے جان و مال کی دعا کرتے ہیں، غرض سوال ہوتا ہے۔ اسی طرح حکم دیا گیا۔ کہ اے فقیرو! جب ہماری بارگاہ میں آؤ، تو ہم اولاد سے پاک ہیں، گھر بار سے پاک، ہاں ایک ہمارا محبوب ہے، اُس کی خیر مانگتے ہوئے آؤ۔ تو جن رحمتوں کی اُن پر بارش ہو رہی ہے، تم پر بھی ایک چھینٹا مار دیا جاوے گا، تمہارا بھلا ہو جاوے گا۔

درود شریف کیوں پڑھتے ہیں؟ چند وجہ سے۔ حدیث پاک میں ہے۔ کہ اگر تم کسی کے گھر دعوت کھانے جاؤ، تو صاحب خانہ کو دعا کرو۔ معلوم ہوا کہ احسان کا شکریہ دعا بھی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کروڑوں احسان ہیں، اُس کا شکریہ دعا ہے، جو کہ درود پاک میں ہے۔ اسی لئے فرمایا گیا، کہ جو شخص نام پاک سُنے، اور درود نہ پڑھے، وہ بخیل ہے۔ جب کوئی درود پڑھتا ہے، تو فرشتے ہدیہ کے طور پر اُس کا درود بارگاہِ عالی میں یوں کہکر عرض کرتے ہیں، کہ یا حبیب اللہ! حضور کا فلاں غلام فلاں کا بیٹا فلاں مقام کا رہنے والا ہدیہ درود عرض کر رہا ہے۔ بھلا اس سے بڑھ کر اور کیا خوش نصیبی ہوگی۔ کہ ہم فقیروں کا نام بارگاہِ بے کس پناہ میں آجائے

حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ تعالٰے عنہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام نے فرمایا۔ کہ خدائے قدوس نے مجھے فرمایا ہے کہ مَیں تم سے قرآن پاک سُنوں۔ عرض کیا۔ کہ کیا رب العالمین نے میرا نام لیا، فرمایا کہ ہاں، تو آپ رونے لگے

(۴) اگر کوئی شخص کوئی دعا نہ مانگے، ہر وقت درود پاک پڑھا کرے، تو انشاء اللہ کسی دعا کے مانگنے کی حاجت ہی پیش نہ آوے گی. کوئی دعا اور نماز بغیر درود قبول نہیں ہوتی. اسی لئے دعائیں بیچ میں ہوتی ہیں. آس پاس درود شریف، کیونکہ اصل میں تو درود قبول ہوتا ہے. خدا کی رحمت سے امید ہے کہ وہ بیچ کی دعا کو بھی رد نہ فرمادے ؛

(۵) نماز میں التحیّات اور درود پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے. کہ حضور کے خیال سے نماز نہیں جاتی، بلکہ نماز اُن کے ذکر کے بغیر ہوتی ہی نہیں. اِس لئے کہ التحیات میں حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام سے خطاب ہے. اور درود میں حضور کے لئے دعائیں. کیسے ہو سکتا ہے کہ اُن سے خطاب تو ہو، اُن سے کلام ہو، اور اُن کا خیال نہ آوے. اشعۃ اللمعات میں ہے کہ نمازی یہ خیال کرے کہ حضور کو سلام عرض کر رہا ہوں، اور حضور خود سُن رہے ہیں کیونکہ حقیقت محمدیہ عالم کے ذرہ ذرہ میں جلوہ گر ہے ؛

بعض علماء فرماتے ہیں کہ اگر کسی نمازی کو حضور طلب فرمادیں۔ تو اُس پر واجب ہے، کہ نماز چھوڑ کر اطاعت مصطفٰے کرے، صلے اللہ علیہ و سلم۔ یاایھاالذین اٰمنوا استجیبوا للّٰہ ورسولہ اذادعاء کم عام ہے نیز ان تمام امور سے نمازی کی نماز نہ جاوے گی، کیونکہ اگر اُس نے کلام کیا، تو ان سے کیا، جن سے کلام کرنا نماز میں واجب ہے، اور کعبہ سے منہ پھرا تو کدھر پھرا، جو کعبہ کے بھی کعبہ ہیں ؛

(۶) تمام دعاؤں سے توحاجتیں ملتی ہیں، اور درود سے حضور ملتے ہیں جو حاجات پوری فرمانے والے ہیں۔ ایک بار محمود نے حکم دیا، کہ یہاں کی ہر چیز تم لوگ لوٹ لو، سب تو مال لوٹنے میں مشغول ہوئے۔ مگر حضرت ایاز نے سلطان کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔ سلطان نے کہا، کہ ایاز تم سامان کیوں نہیں لوٹتے؟ عرض کیا، کہ مَیں نے تو حضور کو لے لیا، جب مجھے آپ مل گئے، تو سب کچھ مل گیا ؎

دنیا کو مبارک ہو دنیا اللہ کرے وہ مجھ کو ملیں
ہر سر میں جن کا سودا ہے ہر دل جن کا شیدائی ہے

(۷) سلطان محمود غزنوی کے زمانہ میں ایک شخص پر قرضہ قابو سے زیادہ ہو گیا۔ اُس نے اپنی بے بسی دیکھ کر درود شریف کی کثرت کی، خواب میں زیارت سے مشرف ہُوا، حکم ملا کہ سلطان کے پاس جا کر کہو، کہ حضور فرماتے ہیں میرا قرض ادا کر دو، اور نشانی یہ ہے کہ تم جو فجر سے پہلے درود پڑھتے ہو، جس کی کسی کو خبر نہیں، وہ قبول ہے۔ وہ سلطانی دربار میں گیا، اور اپنا خواب سلطان سے عرض کیا، سلطان وجد میں آکر اُس کا ایسا طواف کرنے لگا، جیسا حاجی کعبہ کا۔ پھر اُس شخص نے اپنے قرض کا قصہ بیان کیا، بادشاہ نے خزانچی کو حکم دیا کہ اِس کا سارا قرض ہماری طرف سے ادا کر دو۔ خزانچی نے وجہ پوچھی۔ تو بادشاہ نے سارا واقعہ بیان کیا۔ خزانچی نے عرض کیا۔ کہ یہ قرضہ مَیں ادا کروں گا۔ قاضی کو خبر لگی، تو وہ بولا، یہ قرضہ مَیں ادا کروں گا۔ قرض خواہوں نے سُنا تو کہا کہ ہم قرضہ معاف کرتے ہیں۔ غرضکہ قرض معاف ہُوا، اور اتنی جگہ سے روپیہ ملا، اور یہ شخص بہت مالدار ہو گیا ؎

جب آگئی ہیں جوشِ رحمت پر اُن کی آنکھیں

جلتے بجھا دیتے ہیں روتے ہنسا دیتے ہیں

نیز سفیان ثوری فرماتے ہیں. کہ میں نے ایک شخص کو حج میں ہر جگہ درود پڑھتے ہوئے دیکھا. سبب دریافت کرنے پر معلوم ہؤا، کہ اُس کا باپ راہ میں فوت ہو گیا تھا، منہ سیاہ ہو گیا، یہ جنگل میں تنہا پریشان تھا. کہ خواب میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت سے مشرف ہؤا، سرکار نے توجہ فرما کر میت کو اچھا فرمایا، انہوں نے دریافت کیا، ارشاد ہؤا، کہ تمہارا باپ سخت مجرم تھا مگر درود شریف کثرت سے پڑھتا تھا (روح البیان). اس آیت سے معلوم ہوتا ہے، کہ تمام ملائکہ درود پڑھتے ہیں، مگر خصوصیت سے ستّر ہزار فرشتے دن بھر، اور اتنے ہی رات بھر ہمیشہ روضہ مطہرہ پر حاضر ہو کر صلوٰۃ وسلام پڑھتے ہیں. بعض موقعہ پر درود شریف پڑھنا منع بھی ہے. اسی طرح غیر انبیاء پر درود مستقلاً پڑھنا منع ہے. صَلُّوْا کے عموم سے معلوم ہؤا. کہ ہر طرح درود پڑھنا جائز ہے. اگرچہ منقول افضل، جیسے کلوا واشربوا کے عموم سے ہر کھانے کی حلت ثابت ہے. اگرچہ طعام منقول جَو کی روٹی وغیرہ کھانا افضل. اسی طرح دوائیں اور سواریاں ہیں. کہ منقول افضل غیر منقول جائز. درود شریف کی برکت سے بگڑے کام اچھے اور اچھے کام بہت ہی اچھے ہو جاتے ہیں. اسی لئے ہر دعا کے اول و آخر درود شریف پڑھنا چاہیئے. مثنوی شریف میں ایک واقعہ نقل کیا. کہ حضور سیّد عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے جسم پاک پر کبھی مکھّی نہ بیٹھی. اور کیوں بیٹھتی، وہ ہر جائی ہے، گندی جگہ بھی بیٹھ جاتی ہے. اور اس بارگاہ میں ہر جائی کا کام نہیں. اسی طرح جو شخص ہر مجلس کی زینت بن جاتا ہو، اچھی بُری ہر صحبت میں بیٹھتا ہو، وہ بھی یہاں سے نکال دیا جاتا ہے. مگر شہد کی مکھّی حاضر بارگاہ ہوتی تھی، کبھی لباس شریف پر قربان ہوتی، کبھی جسم پاک پر تصدق ہوتی. ایک

بار شہد کی مکھی حاضر خدمت تھی. اُس سے سوال فرمایا، کہ اے مکھی! یہ تو بتا کہ تُو شہد کس طرح بناتی ہے؟ اُس نے عرض کیا، یا حبیب اللہ! ہم بیلا، چنبیلی، گلاب، جوہی وغیرہ ہر قسم کے پھولوں کا رس چُوستے ہیں. اور جب اپنے گھر آکر اُگل دیتے ہیں، تو وہ شہد ہوتا ہے. اِس پر ارشاد فرمایا. کہ ان پھُولوں کا رس تو پھیکا ہوتا ہے. اور شہد میٹھا، یہ بتا کہ ان پھیکے رسوں میں شیرینی کہاں سے آتی ہے؟ اُس نے جواب دیا ؎

گفت چوں خوانیم بر احمد درود ٭ می شود شیرین و تلخی را بہ بود

یا حبیب اللہ ہمارے پیٹ یا منہ میں شکر نہیں ہے، بلکہ ہم جب گلشن سے پھُول چوس کر چلتے ہیں. تو آپ پر درود شریف پڑھتے ہوئے اپنے گھر آتے ہیں. شہد کی یہ شیرینی اس درود پاک کی برکت سے ہے٭

سبحان اللہ جب درود شریف کی برکت سے پھولوں کے پھیکے رس میٹھے بن سکتے ہیں. تو ہم گنہگاروں کو بھی امید ہے، کہ درود شریف کی برکت سے ہمارے پھیکے روکھے اعمال شیریں اور قابلِ قبول ہو جاویں. اللہ تعالےٰ وہ منہ عطا فرمادے، جس کے درود کی یہ تاثیر ہو. ایک ہی غذا کسی کے منہ میں پہنچکر شہد بنتی ہے، اور کسی کے منہ میں پہنچکر زہر ہو جاتی ہے. رب تعالےٰ اعمالِ خیر کی توفیق دے. آمین ٭

۸۶

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا

حضرت انسان کے سواء تمام جانور ہر جگہ اور ہر زمانہ میں ہر طرح یکساں پیدا کئے گئے. بکری، گائے، کوّے، مینڈک وغیرہ غرضکہ تمام چرند و پرند رنگ آواز، بولی، خوراک میں ساری دنیا میں یکساں ہیں. جو رنگ اور بولی، غذا

یہاں کے کوّے کی ہے۔ وہ ہی دوسرے ملکوں کے کوّوں کی ہے۔ غرضکہ اُس واحد نے اپنی شانِ وحدت کا ان تمام جانوروں کو مظہر بنایا، کہ ہر جگہ ایک ہی رنگ وجلوہ ہے۔ جو لاٹ صاحب کی بکری کھاتی ہے، وہ ہی غریبوں کی بکری بھی کھاتی ہے۔ غرضکہ تمام جانور ہر طرح ایک ہیں۔ ہاں حضرتِ انسان ہی وہ ذات ہے جو کل یوم ھو فی شان کی مظہر ہے۔ ان میں رنگ، زبان، اور خوراک، لباس، طرزِ معاشرت غرضکہ ساری ہی چیزیں ملک اور موسم کے لحاظ سے مختلف ہیں۔ اس اختلاف کے باوجود منظورِ الٰہی یہ تھا۔ کہ اس جماعتِ انسانیہ میں یک جہتی پیدا ہو، اور تمام رنگ برنگے انسان ایک نظر آنے لگیں۔ ان کو ایک کرنے کے لئے اُس ایک نے اپنا ایک محبوب بھیجا، جو بے مثل و بے نظیر ہے ؎

بے مثلی حق کے مظہر ہو، پھر مثل تمہارا کیوں کر ہو
نہ کوئی تمہارا ہم رتبہ نہ ترا کوئی ہمپایہ پایا

یہ محبوب اللہ کی رسّی ہیں، کہ ان کو پکڑ کر وہاں کی رسائی حاصل کی جاتی ہے۔ اور اس لئے آئے ہیں، کہ بکھروں کو جمع فرما دیں، جیسے بکھرے ہوئے سامان کو ایک رسّی جمع کر دیتی ہے۔ اسی مناسبت سے ان کو حبل اللہ فرمایا گیا۔ حضرت بوصیری فرماتے ہیں ؎

دعا الی اللّٰہ فالمستمسکون بہ ٭ مستمسکون بحبلٍ غیر منفصم

اس اللہ کی رسّی نے بکھرے ہوؤں کو ایک کر دیا، جس طرح اعضاء بدن، صورت اور کیفیت میں جداگانہ ہیں، ہر ایک کا کام علیحدہ ہے، مگر رشتہ روح نے ان تمام کو ایسا ایک کر دیا، کہ اگر پاؤں میں چوٹ لگے، تو سر کو خبر ہو جاوے، مگر بعدِ مُردن چونکہ رشتہ روح کھل گیا، اب سر پر چوٹ مارو تو آنکھ

کو بھی احساس نہیں ہوتا۔ اس آیت کریمہ نے اسی حبل اللہ یعنی دین اللہ اور رسول اللہ کو پکڑنے کا حکم دیا ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوا، کہ مسلمانوں کو اتفاق ضروری ہے۔ مگر کس چیز پر، اسلام پر، تنظیم اسلامی ضروری ہے۔ غیر مسلم اگر باپ بھی ہو تو ہمارا اپنا نہیں، مسلمان غیر بھی ہو، وہ ہمارا بھائی ہے

ہزار خویش کہ بیگانہ از خدا باشد ؛ فدائے یک تن بیگانہ کآشنا باشد

مسلمان آپس میں مثل شہد کے ہیں۔ کہ شہد کا ہر قطرہ علیحدہ پھول کا رس ہے مگر اب سب کو شہد کہا جاتا ہے۔ کوئی نہیں کہتا کہ یہ گلاب کا رس ہے، اور یہ چنبیلی کا۔ اسی طرح اُس آقائے دوجہان نے حبشہ سے بلال رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو بلا لیا۔ اور روم سے حضرت صہیب کو، فارس سے حضرت سلمان کو، غرضکہ ہر ملک کے لوگوں کو اس طرح شیر و شکر کر دیا۔ کہ کوئی ملکی اور قومی فرق ہی نہ رہا ہے

لگایا تھا مالی نے اک باغ ایسا ؛ نہ تھا جس میں چھوٹا بڑا کوئی پودا

کنیز اور بانو تھیں آپس میں ایسی ؛ زمانہ میں ماں جائی بہنیں ہوں جیسی

مختلف لکڑیاں جل کر راکھ کہلاتی ہے۔ ہر قوم کے لیئے اتحاد و اتفاق ضروری ہے۔ جھاڑو کی تھوڑی سی منظّم سینکیں بہت سے غیر منظّم کوڑے کو جھاڑ کر پھینک دیتی ہیں۔ اسی لئے حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام نے مدینہ منورہ تشریف فرما کر پہلا جو کام کیا، وہ عقد مواخات تھا۔ آج بھی جیسی تنظیم اسلام میں ہے۔ کسی قوم میں نہیں، عیسائیوں کا قبرستان گرجا علیحدہ علیحدہ، اُن میں قومیت کا بڑا فرق۔ مگر اسلام میں سب غریب و امیر ایک ہیں۔ مسلمانوں کا خدا ایک، رسول ایک، قرآن ایک، کعبہ ایک۔ تو کیا وجہ ہے کہ مسلمان ایک نہ ہوں۔ ہماری مسجد، قبرستان سب ایک ہے

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

قومی اور نسبی فرق صرف پہچان کے واسطے ہے، نہ کہ عزّت اور ذلّت کے لئے، جیسے سمندر کا پانی مختلف دریاؤں میں پہنچکر گنگا اور جمنا وغیرہ کہلاتا ہے، سادات کرام تو بے شک ہمارے شاہزادے ہیں، کہ اُن کے لئے روایت میں آگیا۔ کہ کل نسب وسبب منقطع یوم القیٰمۃ الّا نسبی وسببی۔ اسی لئے حضرت امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے حضرت کلثوم بنتِ زہرا رضی اللہ تعالےٰ عنہما سے نکاح کیا۔ باقی تمام اقوام اسلام مساوی ہیں ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم۔ یہاں رسّی کہا، چادر نہ کہا، کیونکہ رسّی سے اوپر چڑھتے ہیں، گرتے وقت پکڑتے ہیں، جھاڑو اسی سے بندھ کر بہت کوڑے کو دفع کرتی ہے۔ اس سے کشتی چلتی ہے۔ بخلاف چادر کے کہ اِس میں بہت سی چیزیں بندھ تو جاتی ہیں، مگر ان میں قوّت نہیں آتی ۞

اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ الآیۃ

حضرت ابراہیم یا حضرت قاسم رضی اللہ تعالےٰ عنہما کا وصال ہؤا۔ تو عاص ابن وائل کافر نے اپنی قوم سے ایک دن کہا، کہ مَیں ان ابتر کے پاس سے آ رہا ہوں۔ معاذ اللہ۔ ابتر کے معنے ہیں منقطع النسل۔ نیز کافروں کا خیال تھا کہ حضور کی وفات شریف کے بعد کوئی ان کا نام لیوا نہ ہوگا۔ یہ خبر سرکار ابد قرار صلے اللہ علیہ وسلم کے گوش گذار ہوئی، تو خاطر اقدس پر کچھ ملال آیا، تب یہ سُورت نازل ہوئی۔ جس میں فرمایا گیا۔ کہ اے محبوب ہم نے تو آپ کو کوثر دے دیا۔ اب اس کے شکریہ میں نماز و قربانی ادا فرمادیں۔ آپ کا بدگو ہی ابتر ہے۔ اِس سے

معلوم ہؤا، کہ بارگاہِ الٰہی میں حضور کی وہ عزت ہے۔ کہ اگر کوئی گستاخ اپنی گستاخی سے حضور کو ایذا پہنچائے، تو خدائے قدوس کو ایذا ہوتی ہے۔ اور رب تعالےٰ خود اس کا جواب دیتا ہے، جیسا کہ تبت یدا ابی لھب وتب سے ثابت ہے۔ کہ اس سے آگے پیچھے کی سورتوں میں قُلْ ہے۔ مگر یہاں قُلْ نہ فرمایا، بلکہ خود جواب دیا ؛

یہاں اعتراض ہوتا ہے، کہ اُس کافر نے تو ابتر کہا تھا، جواب میں فرمایا گیا۔ کہ ہم نے آپ کو کوثر دیا۔ آخر اس سے مناسبت کیا۔ اس لیئے کوثر کے معنے میں بہت توجیہیں ہیں۔ اور ہر توجیہ کی علیحدہ علیحدہ مناسبت۔ یا تو کوثر سے مراد ہے ذکر کثیر اور ذکر خیر، تو مطلب یہ ہؤا۔ کہ یہ کافر تو سمجھا کہ ذکر اور نام اولاد سے چلتا ہے۔ مگر ہم نے اپنی طرف سے آپ کو ذکر کثیر عطا فرمایا کہ بغیر اولاد ذکور کے ہی تمام دنیا میں آپ کا ذکر رہے گا۔ اُس کا نتیجہ یہ ہؤا۔ کہ بڑے بڑے بادشاہ، پہلوان، فقیر و امیر ہر طرح کے لوگ گذر گئے۔ مگر کسی کی ایسی تاریخ نہ لکھی گئی جیسی کہ آقائے دو جہان صلے اللہ علیہ وسلم کی وقت ولادت سے تا وقتِ وفات ایک ایک حال اس طرح تاریخ میں آگیا۔ کہ جس نے ایک تبسّم کی بھی روایت کی، خود اس کی تاریخ لکھ گئی، مجنوں نے تمام عشق کی داستانیں، دیوانِ قیس میں لکھیں۔ مگر اس نے بھی یہ نہ کیا، کہ لیلےٰ کے احوالِ زندگی لکھتا۔ اسی طرح بادشاہوں نے یہ نہ کیا، کہ کسی کو نوکر رکھ کر اپنے احوالِ زندگی لکھواتے آخر اس میں راز کیا تھا، جیسے مجنوں اپنے فراق کی داستان لکھ سکتا تھا ویسے ہی وہ اپنی محبوبہ لیلےٰ کی سوانح عمری بھی تحریر کر سکتا تھا، مگر اس میں راز تھا۔ وہ سمجھتا تھا۔ کہ لیلےٰ میری تو محبوبہ ہے۔ مجھے تو اس کی ہر بات پسند ہے۔ مگر دنیا کے سامنے اگر اُس کے احوالِ زندگی پیش کئے گئے۔ تو کوئی اعتراض کریگا

کوئی مذاق اُڑائے گا، تو میں اپنے محبوب کی ذلت کا باعث بنوں گا. لیکن صحابہ کرام کو یقین تھا. کہ یہ تو عالم کے محبوب ہیں، ہر شخص پسند ہی کرے گا. بے دھڑک احوال ظاہر کر دیئے. لوگ کوشش کرتے ہیں کہ اُن کا ذکر رُکے مگر نہ رُکا ہے نہ رُکے ؎

عقل ہوتی تو خدا سے نہ لڑائی لیتے ٭ یہ گھٹائیں اُسے منظور بڑھانا تیرا

یا کوثر سے مراد اولاد کثیر ہے. یعنی اگرچہ حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالےٰ عنہ وصال فرما گئے، اور نسل بیٹے سے ہوتی ہے. مگر آپ کو ایک صاحبزادی سے وہ نسل پاک دی جاوے گی، جو قیامت تک باقی رہے گی، چنانچہ آج آٹھ آٹھ دس دس بیٹوں والوں کی نسلیں مٹ گئیں. مگر صاحبزادی والے آقا کی ایسی نسل باقی رہی، کہ ہر جگہ سادات کرام نظر آتے ہیں. اور انشاء اللہ قیامت تک رہیں گے. ہاں بدگو اپنی خبر لے، کہ اگرچہ وہ بیٹوں والا ہے مگر اُس کے فرزند کو توفیقِ اسلام دے دی جاوے گی. جس سے کہ وہ حکماً اپنے باپ سے نسلاً منقطع ہو جاویں گے. اور وہ ابتر رہ جاوے گا، کیونکہ اختلافِ دین سے توارث وغیرہ سب ختم ہو جاتا ہے. ایسا ہی ہوا کہ حضرت عمرو ابن عاص مسلمان ہوئے، اور باپ سے جدا ہو گئے، اور وہ ابتر ہو گیا ٭

اس سے معلوم ہوا، کہ نسل پاک مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ایسی معظم ہے کہ خدا نے اُن کو کوثر فرمایا. ان کی عظمت حضرت جنید بغدادی رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے پوچھیئے. کہ آپ ایک بادشاہ کے پہلوان تھے. بادشاہ نے اعلان کیا تھا کہ جو کوئی ہمارے اس پہلوان کو پچھاڑے، اس کو بہت انعام دیا جاوے گا. ایک غریب سیّد نے اپنی بیوی سے مشورہ کیا. کہ فاقوں سے ہم تنگ ہیں، میرا جی چاہتا ہے کہ جنید سے کشتی لڑوں، سُنا ہے کہ وہ اہلِ بیت

کا محب ہے، اگر وہ مجھ سے پچھڑ گیا، تو کافی انعام ہاتھ آدے گا. اور اگر میں گر گیا تو میرا کیا بگڑے گا. بیوی صاحبہ نے اس رائے کی تائید کی، سیّد صاحب نے شاہی دربار میں آکر عرض کیا، کہ جنید پہلوان سے میں کشتی لڑوں گا، بادشاہ نے ان کا اُترا ہوٗا رنگ، کملایا ہوٗا چہرہ دیکھ کر کہا کہ تم جنید سے کشتی نہیں لڑ سکتے کسی اور پہلوان کو اپنی کشتی کے لئے منتخب کرو. مگر سیّد صاحب نے کہا کہ تم میرے دُبلے جسم اور زرد چہرے کو نہ دیکھو. میرے جوہر اکھاڑے میں نظر آئیں گے غرضکہ تاریخ مقرر ہوئی، اور سارے شہر میں اعلان ہوٗا. وقت مقررہ پر شاہ دگدا، امیر و فقیر اور عام رعایا جمع ہو گئے. خود بادشاہ مع وزراء کے وہاں پہنچ گئے. حضرت جنید مست ہاتھی کی طرح اکھاڑے میں آئے. ادھر سے سیّد صاحب بھی کھڑے ہو گئے، سیّد صاحب کو یہ بھی خبر نہ تھی. کہ کشتی لڑتے کیسے ہیں. آخر کار اولاً ہاتھ میں ہاتھ ملا، پھر پیچ شروع ہوئے. سیّد صاحب نے جنید کے کان میں کہدیا. کہ حضرت میں پہلوان نہیں ہوں، بلکہ سیّد زادہ ہوں غریب ہوں، ذرا خیال رکھنا. یہ سُنتے ہی جنید کے ہاتھ پاؤں ڈھیلے پڑ گئے کچھ دیر معمولی سی کشتی لڑ کر خود چت گر گئے. اور سیّد صاحب کو اپنے سینے پر لے لیا. پھر کیا تھا، شور مچ گیا کہ مار دیا، مار دیا. بادشاہ نے کہا. کہ ہمارے پہلوان کو دھوکا ہو گیا. کشتی پھر ہونا چاہیئے. چنانچہ پھر کشتی ہوئی. سید صاحب نے پھر کان میں کہدیا کہ فاطمہ زہرا کی اولاد میں ہوں، بھوکا ہوں، خیال رکھنا. حضرت جنید نے پھر سیّد صاحب کو اپنے سینہ پر لے لیا. اور بادشاہ کی طرف سے سید صاحب کو بے بہا انعام و خلعت وغیرہ سے مالا مال کر دیا گیا. کسی نے حضرت جنید سے کہا کہ آج تمہیں کیا ہو گیا؟ تم نے اُس کے ہاتھ زور سے کیوں نہ پکڑے، تم نے اُس کے مقابل اپنا فن کیوں نہ دکھایا؟

آپ نے کہا کہ مَیں یزید نہ تھا، جو سیّد زادے پر زور دکھاتا، مَیں شمر نہ تھا، کہ اولادِ رسول کے سینہ پر بیٹھتا۔ رات کو حضرت جنید جب سوئے، تو سوتے ہی تقدیر جاگ اُٹھی۔ آنکھ بند ہوتے ہی قسمت کھُل گئی۔ حضور صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زیارت ہوئی۔ حکم ہؤا۔ کہ جنید آج تم نے ہماری اولاد کی لاج رکھی، رب تعالیٰ قیامت میں تمہاری آبرو رکھے۔ اور آج سے تم اولیاء اللہ کے سردار کر دیئے گئے چنانچہ حضرت جنید رحمتہ اللہ علیہ حضور غوث پاک رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے پیروں میں ہیں۔

اسی طرح حضرت امام مالک رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے ایک سیّد حاکم کی خطا فوراً معاف کر دی، جس نے بے قصور آپ کے دُرّے لگوائے تھے اور فرمایا کہ حضور ناراض نہ ہو جاویں۔ کہ تمہاری وجہ سے میری آل قیامت میں گرفتار ہوئی۔

کوثر سے مراد ہے عالم کثرت یعنی ماسوی اللہ سب آپ کو عطا فرمایا ہے

خالقِ کُل نے آپ کو مالکِ کُل بنا دیا
دونوں جہاں ہیں آپ کے قبضہ و اختیار میں

اسی لئے حضرت آدم علیہ السلام نے عرش پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام پاک لکھا دیکھا، تاکہ معلوم ہو کہ مالکِ عرش آپ ہیں۔

نکتہ حضرت آدم علیہ السلام نے بغیر کسی سے علم سیکھے نام پڑھ لیا۔ معلوم ہؤا کہ انبیائے کرام عالم ہی پیدا ہوتے ہیں۔ پھر یہ کیوں پوچھا کہ یہ کس کا نام ہے؟ جب نام پڑھ لیا۔ تو پہچانا کیوں نہیں۔ معلوم ہؤا کہ یہ سوال پوچھنے کے لئے نہ تھا بلکہ طلب کے لئے تھا کہ یہ ہم کو عطا فرما دیا جاوے۔ اسی لئے عرض کیا۔ کہ اللّٰھم ارحم ھذا الوالد بھٰذ الولد، جنت میں ہر شے پر لکھا ہے

لاالٰہ الا اللہ محمدؐ رسول اللہ یعنی اس کا خالق خدا ہے، اور مالک محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں ؏

یا کوثر سے مراد امت کثیرہ یا حوض کوثر یا بے شمار خوبیاں ہیں، تو مطلب یہ ہوُا، کہ حوض کوثر پر تمام مخلوق آپ کی تعریف کرے گی۔ اگر ایک بدگو نے گستاخی کی بھی، تو آپ رنج کیوں فرماتے ہیں۔ یا ہم نے آپ کو بے انتہا اولاد یعنی اُمت عطا فرمائی۔ آپ ابتر کیسے ہو سکتے ہیں ؏

فصلّ لربّک سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اگر کوئی نعمت کسی کو عطا ہو تو اُس کا شکر نوافل اور قربانی سے ادا کرے، نعمت ملنے پر خوشی کرنا سُنّتِ انبیاء ہے راحت میں شکر اور مصیبت میں صبر چاہیئے۔ ان شانئک ھو الابتر سے معلوم ہوُا، کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا بدگو کسی رحمت الٰہی کا حقدار نہیں، آج بھی حضور کے بدگو بے اولاد دیکھے گئے۔ ان بدنصیبوں کی نسل چلتی نہیں، رب تعالےٰ اپنے محبوب صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت نصیب کرے۔ آمین ؏

وَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۲۸۶

اِس آیت کریمہ میں روزے کی فرضیت کا بیان ہے، مگر اس جگہ چند امور قابلِ غور ہیں:۔

(۱) رمضان شریف کیوں آتا ہے۔ اِس لئے کہ مسلمانوں کو گناہوں سے پاک کرے۔ اسی لیے اس کو رمضان کہتے ہیں۔ جس کے معنے ہیں گرم کرنے والا اور جلانے والا۔ یہ بھی گناہوں کو جلا دیا کرتا ہے۔ لہٰذا رمضان ہے۔ اس کے کُل چار نام ہیں۔ رمضان، شہر الصبر، شہر المواسات یعنی بھلائی کرنا، شہر وسعت رزق۔ مشکوٰۃ کتاب الصوم، جیسے بھٹی میں رکھ کر لوہے کا میل

نکال لیتے ہیں۔ اسی طرح گنہگار مسلمانوں کے لئے یہ بھٹی ہے۔ کہ ان کو صاف کرتی ہے۔ ہاں کبھی صاف لوہے کو بھی بھٹی میں رکھتے ہیں۔ تاکہ اُس کو کچھ سے کچھ کر دیں۔ مثلاً اس سے کوئی مشین کا پرزہ بنا دیں۔ جس سے کہ اُس کی قیمت بڑھ جاوے۔ اسی طرح نیک کار لوگ اس سے رفع مراتب پاتے ہیں بھٹی میں گندا لوہا صاف ہوتا ہے۔ صاف لوہا کوئی پرزہ بن کر قیمتی ہو جاتا ہے اور سونا بھٹی میں جاکر زیور بن کر محبوب کے گلے کا ہار بنتا ہے۔ ایسے ہی گنہگار روزہ سے پاک ہوتا ہے۔ متقی روزے سے زیادہ پرہیزگار بنتا ہے۔ اور انبیاء و رسل کا اس سے قرب بڑھتا ہے ؛

(۲) ایک بار حضرت روح الامین حاضرِ خدمت ہوئے۔ جس وقت حضور نے قدم پاک منبر کے پہلے درجے پر رکھا، تو فرمایا امین، دوسرے درجے پر فرمایا امین، اسی طرح تیسرے درجے پر، فرمایا امین۔ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یاحبیب اللہ امین کس بات پر فرمایا گیا۔ تو فرمایا کہ حضرت جبریل نے تین دعائیں فرمائیں، جو حضور کا نام پاک سُنے اور درود نہ پڑھے، وہ ہلاک ہو جاوے۔ جو والدین کا بڑھاپا پائے اور جنّت نہ حاصل کرے، وہ ہلاک ہو جاوے جو ماہ رمضان کو پاوے، اور جنّت نہ خرید لے، وہ ہلاک ہو جاوے۔ ہم نے فرمایا امین (درمنثور زیر آیت شہر رمضان الذی) ؛

نکتہ حضرت جبریل دعا کرنے کے لئے سدرہ چھوڑ کر یہاں کیوں آئے؟ اور حضور سے امین کیوں کہلوایا۔ اس لئے کہ سدرہ سے مدینہ منورہ کو وہ افضل جانتے تھے۔ کہ وہاں شاہی مقام ہے۔ اور وہ دارالسلطنت ہے۔ دوسرے اُن کا عقیدہ ہے۔ کہ وہ ہی دعا قابلِ قبول ہے۔ جس پر امین مصطفےٰ کی مُہر لگ جاوے۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ مدینہ پاک میں کیا رکھا ہے

وہاں کا سفر کیوں کیا جاوے۔ وہ غور کریں۔ کہ وہاں تو وہ ہے جو سدرہ میں نہیں۔ اسی لئے حضرت جبریل علیہ السلام سفر کر کے وہاں آئے ؛

(۳) یہ ماہ خدا کا مہمان، ہمارا پاسبان اور مہربان ہے۔ چاہیئے کہ اس کی قدر کی جاوے۔ قدر یہ ہے کہ مسلمان کوشش کریں۔ کہ اس مبارک ماہ میں گناہوں اور کھیل تماشوں سے پرہیز کریں، ایسا نہ ہو کہ یہ مہمان ہم سے خفا ہو کر جاوے۔ اور ہم وبال میں پھنس جاویں۔ قرآن میں صرف ماہ رمضان ہی کا نام لیا گیا۔ اسی طرح عورتوں میں صرف حضرت مریم کا، صحابہ کرام میں صرف حضرت زید کا نام صراحۃً مذکور ہوا۔ اس سے ماہ رمضان کی فضیلت ظاہر ہوئی ؛

(۴) روزہ کیوں فرض کیا گیا۔ اس میں چند فائدے ہیں۔ اول تو ہر شے کی زکوٰۃ ہے۔ تندرستی کی زکوٰۃ بیماری، مال کی زکوٰۃ صدقہ، اعضاء کی زکوٰۃ حجامت، لہٰذا شکم سیری کی زکوٰۃ گرسنگی ہے۔ اور زکوٰۃ سے ہر چیز میں برکت ہوتی ہے۔ اسی لئے رمضان میں رزق میں برکت ہوتی ہے ؎

زکوٰۃ مال بدر کن کہ دختر رز را ؛ چو باغباں بدرد بیشتر دہد انگور

نیز روزہ بہت سے شکمی امراض کا علاج ہے۔ نیز بھوکے کی قدر وہ جانے جس کو کبھی بھوکا رہنے کا اتفاق ہوا ہو۔ لہٰذا مسلمانوں پر روزہ فرض کیا گیا۔ کہ اگر کسی بھوکے کو دیکھیں، تو اپنی روزے والی بھوک یاد کر کے اس کی امداد کریں جیسے کہ حج فرض کیا گیا، تاکہ مسافر کی قدر معلوم ہو۔ چہارم روزے میں نفس کشی ہے۔ کیونکہ بھوک سے نفس کشی حاصل ہوتی ہے۔ اسی لئے مجاہدہ کرنے والے حضرات سیری سے بچتے ہیں، سیری سے نفس کی پرورش ہوتی ہے۔ اور بھوک سے روح کی ؛

(۵) روزے کے بہت سے فضائل ہیں، حدیث پاک میں وارد ہوا۔ کہ

الصوم لی وانا اجزی بہ روزہ ہمارا ہے اور ہم اس کی جزا دیں گے۔ یا اس کی جزا ہم ہیں یعنی ہم اس کی جزا ہیں۔ روزہ میرا ہے، یا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ روزہ میں ریا نہیں ہو سکتی، کیونکہ وہ ایک اندرونی شے ہے۔ بخلاف دیگر عباداۃ کے، کہ وہ ظاہر طور پر ہوتی ہیں۔ اُن میں ریا کا احتمال ہے۔ یا یہ مراد ہے کہ ظالم کی تمامی عبادات حقوق کے بدلے مظلومین کو دلوا دی جاویں گی، مگر روزہ نہ دیا جاوے گا۔ فرمایا جاوے گا۔ کہ روزہ تو خاص ہمارا ہو چکا۔ اور ساری عباوات کا بدلہ جنّت، مگر روزے کی جزا جنّت والا، جیسا جزاؤں میں فرق ہے ویسا ہی عبادات میں ؛

(۶) روزے میں بہت سے فرق ہوئے، اولاً صرف عاشورہ کا روزہ ہی فرض ہوا۔ یہ شکریہ نجات حضرت موسےٰ علیہ السلام میں۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ نعمتوں کی یادگار اور اُن پر اظہارِ شکر و سرور جائز ہے۔ جیسے کہ محفلِ میلاد۔ پھر ہر ماہ میں تین روزے، پھر ماہ رمضان مگر فدیہ کا اختیار رہا۔ مگر سوتے ہی کھانا پینا حرام ہو جاتا تھا۔ حضرت صرمہ ابن قیس غنوی رضی اللہ تعالےٰ عنہ ایک بار بھوکے سو گئے۔ اور روزے پر روزہ رکھ لیا۔ پھر جب مزدوری کو گئے۔ تو بے ہوش ہو گئے۔ تب سحری تک کھانا حلال ہؤا۔ پھر رمضان کے ماہ میں جماع حرام رہا۔ پھر امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے ایک دفعہ رمضان کی رات میں جماع ہو گیا۔ حضور کی بارگاہ میں اظہار ندامت فرمایا۔ اس پر آیت واحلّ لکم نازل ہوئی۔ اس سے معلوم ہؤا۔ کہ بڑوں کی خطا بھی چھوٹوں کے لئے عطا کا باعث ہوتی ہے۔ دنیا کا سارا ظہور حضرت ابوالبشر آدم علیہ السلام کی ایک خطا کا نتیجہ ہے۔ چونکہ آپ کے پشت مبارک میں کفار وغیرہ کی روحیں بھی تھیں، جو کہ جنّت کے لائق نہ تھیں، لہٰذا اُنہیں دنیا میں بھیجا گیا۔ کہ ان

روحوں کو نکال کر پھر یہاں ہی آجائیے۔ تو یہ کہنا کہ حضرت آدم نے ہم کو جنت سے نکالا غلط ہے۔ بلکہ ہم اُن کو جنت سے باہر لائے۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

ہرچہ گیرد علتی علت شود ✽ کفر گیرد ملتی ملت شود

ایک صحابی نے مجبوراً کلمہ کفر منہ سے نکالا، اور بارگاہ بیکس پناہ میں آکر وجہ یہ عرض کی، کہ میں حضور کی مجلس پر حریص ہوں۔ مجھے معلوم تھا کہ میرا ایک پارس موجود ہے، جو کہ لوہے خراب کو بھی سونا بنا دیتا ہے۔ اس لئے میں نے یہ جرأت کی، تو آیت نازل ہوئی۔ الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان۔ یہ اس شعر کی تفسیر ہے، غرضکہ ع خطائے بزرگاں گرفتن خطاست ✽

(۷) روزہ تین طرح کا ہوتا ہے۔ عام کا، خاص کا، خاص الخاص کا روزہ عام یہ ہے، کہ صبح سے مغرب تک اپنے حلق کو کھانے پینے اور فرج کو جماع سے محفوظ رکھے۔ اور روزہ خاص یہ ہے، کہ اپنے تمام اعضاء ظاہری کو برائیوں سے بچائے۔ روزہ خاص الخاص یہ ہے۔ کہ اعضاء ظاہری اور باطنی کو حتیٰ کہ خیالات کو غیر حق سے بچائے۔ اسی لئے اس ماہ میں اعتکاف کرنا سنت مؤکدہ علے الکفایہ ہے۔ کہ اس سے ترکِ دنیا کا ایک نقشہ سامنے آجاوے اور اس سے نصیحت حاصل ہو، دیگر عبادات میں کچھ کرنا ہوتا ہے۔ مگر روزہ نہ کرنے کا نام ہے۔ اور روزہ سوتے، جاگتے، اُٹھتے، بیٹھتے ہر وقت ادا ہوتا رہتا ہے ✽

(۸) اِس ماہ میں حسب ذیل کام کرنے چاہئیں (۱) روزہ (۲) تراویح (۳) اعتکاف (۴) افطار اور سحری کے وقت دعا، کہ یہ وقتِ اجابت ہے (۵) سحری کے لئے رات کا آخری چھٹا حصہ مستحب ہے (۶) سخاوت کہ اس ماہ پاک میں حضور سیّد عالم صلے اللہ علیہ وسلم ہوا سے بھی زیادہ کریم ہوتے تھے۔ اور

اِس ماہ میں نفل کا ثواب فرض کے برابر، اور فرض کا ستر گنا ثواب ہے۔ نیز اِس ماہ کے آخر میں حسرت اور افسوس کرنا کہ نعمت الٰہی کے چھن جانے پر افسوس منقول ہے۔ حتیٰ کہ عورت پر طلاق اور وفاتِ شوہر کی صورت میں سوگ بھی ضروری کر دیا گیا۔ اسی لئے جمعۃ الوداع میں غم کے اشعار پڑھے جاتے ہیں تاکہ لوگ جس قدر کہ وقت رہ گیا ہے، اُس کو غنیمت جان کر عبادات میں کوشش کریں ؛

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو عید کے دن روتے ہوئے دیکھ کر سبب دریافت کیا۔ فرمایا کہ نہ معلوم یہ خدا کا مہمان مجھ سے راضی گیا یا ناراض۔ یہ ایسا مہمان ہے۔ کہ وائسرائے آئے تو لندن سے اعلان ہو۔ مگر یہ مہمان آدے، تو آسمان سے اعلان ہو کر یا باغی الخیر اقبل ویا باغی الشر اقصر (مشکوٰۃ) سخی دو قسم کے ہوتے ہیں: ایک تو وہ جو فقیروں کو بلا کر دیں۔ دوسرے وہ جو فقیروں کے گھر جا کر دیں۔ کعبہ شریف بلا کر دیتا ہے۔ مگر ماہ رمضان آکر دیتا ہے۔ اس کو خوش کرنا ضروری ہے ؛

یہ جو کہا گیا کہ سوائے روزے کے تمام نیکیاں اہل حقوق لیں گے۔ اِس میں بھی اصل نیکی چھوڑ دی جاوے گی، رب کی طرف سے جو اعمال میں برکت دی جاتی ہے۔ وہ زیادتی اہل حقوق لیں گے۔ دیکھو روح البیان زیر آیت من ذالذی یقرض اللہ قرضاً حسناً، سال میں رمضان تمام مہینوں سے افضل۔ کہ دن ورات عبادت کے لئے ہیں۔ قرآن بھی اسی میں ملا۔ پھر ماہ ربیع الاول کہ صاحب قرآن اس میں جلوہ گر ہوئے۔ پھر ذی الحجہ (روح البیان)۔ ذی الحجہ میں اگرچہ فریضۂ حج ادا ہوتا ہے۔ مگر وہ صرف چار دن میں اور وہ بھی بعض لوگ ادا کرتے ہیں۔ مگر رمضان میں پورا مہینہ اور ہر مسلمان عبادت

کرتا ہے۔ پھر ذی الحجہ بلا کر دے، یہ آکر دیتا ہے۔ جیساکہ کنواں اور دریا لہٰذا
اس کا فیض عام ہے ؏

حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ۝

اِس مقام پر تین امور قابلِ غور ہیں۔ گذشتہ آیت سے اس کو کیا تعلق کہ وہاں تو طلاق قبل الدخول اور اُس کے مہر کا ذکر تھا، یہاں نمازوں کا ذکر آ گیا۔ اس کی شانِ نزول کیا ہے۔ اس سے احکام کیا معلوم ہوئے :۔

(۱) شانِ نزول یہ ہے۔ کہ ایک قوم مکانات بنانے اور اُن کے راستہ کرنے میں مشغول ہو گئی۔ اور مساجد کو ویران کر دیا۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی ؏

(۲) اِس کا تعلق گذشتہ آیت سے دو طرح ہے۔ یا تو اس طرح کہ قرآن کریم کا قاعدہ ہے، کہ جہاں دنیاوی احکام بیان فرماتا ہے۔ وہاں دینی احکام بھی فوراً بیان فرماتا ہے۔ تاکہ لوگ دنیا میں مشغول ہو کر آخرت سے غافل نہ ہو جاویں۔ پہلے فرمایا تھا کہ فاتوا حرثکم انّٰی شئتم وقدموا لانفسکم چونکہ بہت دُور سے طلاق کے احکام بیان ہو رہے تھے۔ اور بعد میں بھی اسی قسم کے احکام آ رہے ہیں۔ لہٰذا اب نماز کا ذکر کیا ؏

اس میں علماء کو تنبیہ ہے۔ کہ ان مسائل میں مشغول ہو کر نمازوں سے غافل نہ ہو جاویں۔ اور عامۃ الناس کو یہ تنبیہ ہے، کہ طلاق و نکاح کے جھگڑوں میں ایسے نہ پھنسیں، کہ نماز وغیرہ عبادات سے غافل ہو جاویں حضرت امام محمد غزالی کے چھوٹے بھائی امام حامد غزالی ولی کامل تھے، مگر حضرت

امام غزالی کے پیچھے نماز نہ پڑھتے تھے۔ انھوں نے اپنی والدہ ماجدہ سے شکایت کی۔ والدہ صاحبہ نے وجہ دریافت کی، تو حامد صاحب نے فرمایا۔ کہ یہ نماز میں کھڑے ہوکر مسائل شرع سوچتے ہیں۔ محراب عبادت کی جگہ ہے۔ یا دار الافتاء۔ والدہ ماجدہ نے فرمایا۔ کہ وہ تو مسائل ڈھونڈھتے ہیں، اور تم اُن کا دل ڈھونڈھتے ہو۔ تم تو اُن سے بدتر ہو، کہ وہ مسائل ڈھونڈھتے ہیں۔ اور تم اُن کے عیب۔ وہ قرآن میں تو رہتے ہیں، تم نماز سے نکل کر اُن کے دل میں گھستے ہو۔ نماز میں نہ تم رہتے ہو، نہ وہ۔ آخر حامد غزالی نے معذرت کی۔ دوسرے یہ کہ آیت طلاق میں آیا تھا لاتنسوا الفضل بینکم۔ آپس کے احسانات نہ بھولو۔ جب مخلوق کے احسانات کا شکریہ ضروری ہوا۔ تو خالق کے احسانات کا شکریہ بدرجہ اولیٰ ضروری ہے۔ اُس کا شکریہ نمازوں کی محافظت ہے۔ اس حکمت سے یہاں نماز کا ذکر فرمایا گیا۔

(۳) اس آیت سے بہت سے احکام معلوم ہوئے۔ اولاً یہ کہ تمام نمازوں کی محافظت ضروری ہے۔ محافظت میں بہت وسعت ہے، ہمیشہ پڑھنا، صحیح وقت پر پڑھنا، فرائض، واجبات، مستحبات تک کا لحاظ رکھنا، خشوع وخضوع وحضورِ قلب سے ادا کرنا۔ دوسرے یہ کہ صلوٰۃ وسطیٰ سے مراد نمازِ عصر ہے۔ حدیث احزاب میں ہے شغلونا عن الصلوٰۃ الوسطیٰ۔ تیسرے یہ کہ وسطیٰ سے معلوم ہوتا ہے۔ نمازیں پانچ ہیں۔ اس لئے کہ وسطیٰ یعنی بیچ کی نماز وہ کہلاوے گی، جس کے آس پاس برابر کا عدد ہو۔ اور عدد کم سے کم دو ہے۔ ایک عدد نہیں۔ کیونکہ عدد اُسے کہتے ہیں جو مجموعہ حاشیتین کا نصف ہو۔ تو وسطیٰ نماز جب ہی ہوسکتی ہے۔ کہ آس پاس دو دو نمازیں ہوں اور درمیان میں یہ ہو۔ تو لامحالہ نمازیں پانچ ہوئیں۔ تین کے آس پاس عدد

نہیں۔ ان میں وسط نہ بن سکے گا ۔

(۴) چند وجہوں سے نماز عصر کی تاکید زیادہ ہے۔ اولاً تو یہ کہ یہ وقت ہے تجارت کے فروغ اور سیر و تفریح اور کھیل و کود کا۔ ممکن ہے کہ لوگ اس سے غافل ہو جاویں۔ دوم۔ حضرت سلیمان علیہ السلام گھوڑوں میں مشغول ہو کر اسی نماز کو نہ پڑھ سکے تھے۔ سوم۔ اس نماز میں رات و دن کے فرشتے جمع ہوتے ہیں۔ بروایت بعض۔ چہارم۔ یہ نماز قصری اور غیر قصری کی درمیان ہے۔ پنجم۔ مرتے وقت اور قبر میں سوالات کے وقت یہ ہی وقت محسوس ہوگا اگر بندہ اس نماز کا پابند ہے، تو سوالِ نکیرین کے وقت کہتا ہے، کہ سوال بعد میں کرنا پہلے مجھے نماز عصر پڑھ لینے دو۔ اسی وجہ سے صوفیائے کرام بعد نماز عصر کھانا پینا وغیرہ حتّٰی کہ کلامِ دنیا کو بھی پسند نہیں کرتے۔ کہ نزع میں پانی پینے کی ضرورت درپیش نہ آوے ۔

(۵) قوموا للّٰہ قانتین سے چند باتیں معلوم ہوئیں۔ نماز میں قیام فرض ہے۔ کہ امر وجوب کے لئے ہے۔ جماعت ضروری ہے۔ کہ صیغۂ جمع اجتماع کو چاہتا ہے۔ قانتین سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ نماز میں بات کرنا سلام کرنا، کھانا پینا، اِدھر اُدھر دیکھنا منع ہے۔ یہ تمام امور نماز میں پہلے جائز تھے۔ اب ممنوع ہو گئے۔ اور واذا قرئ القرآن سے نماز میں امام کے پیچھے قرأت منع کر دی گئی۔ قنوت کے معنے سکوت کے بھی ہیں اور اطاعت کے بھی ۔

للّٰہِ سے معلوم ہوا۔ کہ نماز صرف رضاءِ الٰہی کے لئے چاہیئے۔ اس میں ریاکاری، نام و نمود کو دخل نہ ہو۔ نمازِ حاجت، نمازِ غوثیہ وغیرہ میں بھی رب تعالیٰ ہی کو راضی کرنا منظور ہوتا ہے۔ پھر رب تعالیٰ سے حاجت چاہی

جاتی ہے۔ کسی مقصد کے لئے نماز پڑھنا للّٰہ کے خلاف نہیں۔ اسی للّٰہ سے یہ بھی معلوم ہؤا کہ نماز اللہ کے لئے چاہیئے۔ کعبہ کے لئے نہیں۔ کعبہ کی طرف صرف رُخ کرایا گیا ہے۔ چہرہ کعبہ کی طرف اور دل خالقِ کعبہ کی طرف ضروری ہے۔ رب تعالیٰ ایسی نمازیں نصیب کرے ۔

۲۸۶

اَلَمْ تَرَىٰ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْيَاهُمْ

اِس آیت میں چند امور قابلِ غور ہیں :۔

(۱) اِس آیت کا تعلق اگلی پچھلی آیتوں سے نہایت عمدہ ہے۔ اس کے پہلے ذکر ہؤا ہے متوفیٰ عنہا زوجہا کی عدت کا۔ اور اس کے ضمن میں ذکر ہؤا وفات کا۔ اور طاعون بھی موت ہی ہوتی ہے۔ اِس لئے اِس کا یہاں ذکر کیا گیا۔ آئندہ حکم ہے جہاد کا۔ اور جہاد وہ ہی کر سکتا ہے جو موت سے ڈرتا نہ ہو۔ اور زندگی کو بہت پیارا نہ سمجھتا ہو۔ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ موت و زندگی قبضہ قدرت الٰہی میں ہے۔ اُس سے بچنے کی تدبیر حکم الٰہی کو نہیں پھیر سکتی۔ اور جب موت آتی ہی ہے تو راہِ مولےٰ میں آئے تو بہتر ہے۔ اس لئے یہاں یہ واقعہ بیان فرمایا گیا ۔

(۲) واقعہ یہ ہے کہ ملک واسط میں ایک شہر تھا جس کا نام تھا داوردان۔ وہاں طاعون آیا۔ مالدار بنی اسرائیل بھاگ گئے۔ اور غریب رہ گئے۔ رہنے والے بہت مر گئے۔ بھاگنے والے بچ گئے۔ تو رہنے والے پچھتائے۔ سال آئندہ پھر طاعون آیا۔ سب بھاگ گئے۔ ایک میدان میں پہنچے۔ تو سب بحکم الٰہی مر گئے۔ کچھ عرصہ کے بعد حضرت حزقیل علیہ السلام کا وہاں گذر ہؤا۔ تو اُن کی ہڈیاں ملاحظہ فرما کر عرض کیا۔ کہ خدایا تو اِن کو زندہ فرما دے۔ حکم ہؤا کہ آپ اِنہیں پکاریں۔ آپ نے پکارا

کہ اے بکھری ہوئی ہڈیو جمع ہو جاؤ ۔ پھر دوسری آواز پہ تمام زندہ ہو گئے کئی سال تک زندہ رہے ۔ پھر اپنی موت مرے ۔ حضرت حزقیل ہوشے علیہ السلام کے تیسرے خلیفہ ہیں ۔ پہلے حضرت یوشع ۔ دوسرے حضرت کالب ابن یوحنا ۔ تیسرے حضرت حزقیل ؓ

(۳) اِس سے چند فائدے حاصل ہوئے ۔ ایک تو یہ کہ یہ واقعہ حضور علیہ السلام سے بہت پہلے کا ہے مگر فرمایا گیا اَلَمْ تَرٰی استفہام انکاری یعنی کیا آپ نے یہ نہ دیکھا ۔ معلوم ہوتا ہے کہ چشم انبیاء گذشتہ ، آئندہ چیزوں کو دیکھتی ہیں ۔ جیسے فرمایا گیا الم ترکیف فعل ربّك باصحٰب الفیل اسی لئے حضور علیہ السلام نے عبداللہ قرآنی جکڑ الوی اور خانہ کعبہ منہدم کرنے والے کی خبر دی ۔ حالانکہ یہ واقعات بہت دنوں بعد ہوئے ۔ دوسرے یہ کہ انبیائے کرام کی بارگاہِ الٰہی میں وہ عزت ہے کہ اگر ضد کریں تو پوری فرمائی جاوے ۔ لواقسم علی اللہ لابرّہ کہ حضرت حزقیل علیہ السلام کی عرض پہ دوبارہ زندہ کیا گیا ۔ یہاں سوال ہوتا ہے ۔ کہ ایک شخص کو دوبارہ موت نہیں آتی ۔ اسی لئے روحِ شہداء باوجود خواہش کے دوبارہ دنیا میں نہیں بھیجی جاتیں (مشکوٰۃ باب الشہید) تو ان لوگوں کو دوبارہ موت کیوں آئی ؟ دوسرے یہ کہ ان لوگوں کی عمریں پوری ہو چکی تھیں یا نہیں ؟ اگر پوری ہو چکی تھیں ۔ تو دوبارہ زندگی کیوں ملی ؟ اور اگر نہیں تو اُن کو پہلی بار موت کیوں آگئی ؟ **جواب** ۔ اوّل کا جواب تو یہ ہے کہ دو بار نزع کی شدت نہ ہوگی اور یہاں اور حضرت عیسےٰ علیہ السلام پھر حضور علیہ السلام کے زندہ کئے ہوئے مُردوں کو ایک بار نزع کی شدت ہوئی ۔ دوسری بار بغیر شدت سے جان نکالی گئی جیسے کہ سوتے وقت ہر انسان کی روح انسانی یا سلطانی یا سیرانی بغیر تکلیف نکال دی جاتی ہے ۔ اور پھر بے تکلّف داخل کر دی جاتی ہے ۔ مگر روح مقامی یا حیوانی

موت کے وقت نکلتی ہے۔ دیکھو روح البیان آیت اللہ یتوفی الانفس حین موتھا اور آیت یسئلونك عن الروح ؂

نکتہ سونے کی حالت میں روح سیرانی نکل کر سیر کرتی ہے۔ مگر کسی جگہ ہو۔ جہاں جسم کے پاس کھڑے ہو کر آواز دی۔ اُس نے سُن لی اور فوراً آکر جسم میں داخل ہو گئی۔ اور اگر جسم کو ہاتھ لگایا تو خبر بھی ہو گئی۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ جسم سے نکلنے کے بعد روح کی ہر طاقت بڑھ جاتی ہے۔ اسی واسطے مدفون مُردے قبرستان سے گذرنے والوں کو دیکھ بھی لیتے ہیں اور اُن کے پاؤں کی آہٹ بھی سُن لیتے ہیں باوجودیکہ صدہا من مٹی میں دبے ہیں۔ اس سے چند نتیجے حاصل ہوئے :-

ارواحِ انبیاء و اولیاء بعدِ وفات بھی دُور کی آواز سُنتی ہیں۔ امداد کے لئے فوراً آسکتی ہیں۔ اور اُمت مثل جسم ہے اور آقائے دوجہان صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جان۔ جس طرح جسم کو چھُوا اور رُوح کو خبر ہو گئی۔ اسی طرح مسلمان پہ کوئی حال گذرا۔ کہ آقا کو خبر ہوئی ؂

در فراقِ تو مرا چوں سوخت جاں ؂ چوں نہ نالم بے تو اے جانِ جہاں

اسی لئے قبرستان پہ فاتحہ پڑھتے ہیں کہ رُوح کو جسم سے تعلق رہتا ہے۔

جواب دوم چراغ گُل ہونے کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔ ایک تو تیل و بتّی موجود تھی مگر پھُونک سے گُل کر دیا۔ دوسرے دونوں چیزیں ختم ہو چکیں اور گُل ہو گیا۔ ان لوگوں کی عمریں باقی تھیں مگر ایک مصلحتِ خداوندی کے لئے موت دی گئی۔ اور بعد میں زندہ کیا گیا۔ مگر یہ زمانہ موت عمر کے حساب میں نہ آوے گا۔ جیسے کہ حضرت عیلے علیہ السلام کا قیامِ آسمان کا زمانہ عمر کے حساب میں نہیں۔ بلکہ آپ کی عمر ۳۳ سال یا ۳۵ سال ہے۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اُن کی عمریں ختم ہو چکی تھیں مگر پیغمبر کی دعا سے دوبارہ عمریں دی گئیں۔ دیکھو آدم علیہ السلام کی دعا سے داؤد علیہ السلام

کی عمر ۴۰ سال زیادہ کی گئی۔ اور نیک اعمال سے عمر بڑھ جاتی ہے۔

(۵) اِس سے معلوم ہؤا کہ طاعون اور وبائی امراض سے بھاگنا گناہ ہے۔ یہ بھی معلوم ہؤا۔ کہ موت سے رُوح مرتی نہیں صرف تعلق رُوح ٹوٹ جاتا ہے۔ جیسے کہ انجن وریل اور قمقمہ پاور ہاؤس۔ مگر جس طرح زندگی میں مختلف القویٰ حضرات ہیں اسی طرح بعدِ موت ؁

۲۸۶

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَہٗ لَہٗۤ اَضْعَافًا کَثِیْرَۃً ؕ وَاللّٰہُ یَقْبِضُ وَیَبْصُۜطُ ۪ وَاِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ ۝

اِس آیت میں چند امور قابلِ لحاظ ہیں :-

(۱) اِس آیت کا گذشتہ آیتِ جہاد سے نفیس تعلق ہے۔ جہاد میں جان بھی خرچ کی جاتی ہے اور مال بھی۔ اب فرمایا گیا۔ کہ یہ ہر دو چیزیں ہمارے ذمہ کرم پر قرض کی بطور ہیں کہ ضرور مع نفع کے واپس کی جاویں گی ؁

(۲) ان کو قرض اس لئے فرمایا گیا۔ کہ جس طرح شاہی بنک میں روپیہ جمع کرنے والا مطمئن رہتا ہے اسی طرح اُس کو بھی چاہیئے کہ مطمئن رہے کہ مع نفع کے واپس کیا جاوے گا۔ خدا کے بنک مدارس اور مساجد اور میدانِ جنگ ہیں۔ قرض کہا دَین نہ کہا کہ دین کی مدت معین ہوتی ہے۔ قرض کی کوئی مدت ہی نہیں۔ تو معلوم ہؤا کہ اس کے اجر کے لئے یہ ضروری نہیں کہ قیامت ہی میں ہے بلکہ دنیا اور قیامت دونوں جگہ بھی مل سکتا ہے۔ قرض اور دین میں یہ فرق ہے۔ کہ روپیہ دے کر روپیہ لینا قرض ہے۔ اور مال دے کر قیمت کچھ مدت بعد لینا دین۔ قرض کے معنے ہیں کاٹنا۔ مقراض قینچی۔ چونکہ قارض اپنے مال سے کاٹ کر دیتا ہے۔ یا قرض کی وجہ سے دائن و مدیون کی محبت کٹ جاتی ہے۔ اِس لئے اسے قرض کہتے ہیں۔ قرض کو حسنًا فرمایا۔

یعنی نیک نیتی یا خوش دلی سے خرچ کر دیا پاک کمائی سے خرچ کر دیا اس قرض سے ہماری تمہاری محبت میں کمی نہ آوے گی بلکہ بڑھے گی. کیونکہ یہ قرض حسن ہے. قرض حسن بندوں میں اس کو بھی کہتے ہیں جو بغیر مطالبہ کا قرض ہو. اسی طرح صدقہ اور بغیر سود کے قرض اور جس قرض میں ثواب کی نیت ہو سب قرض حسن کہلاتے ہیں۔

اَضۡعَافًا کَثِیۡرَۃً سے معلوم ہوا کہ اس قرض کی اتنی زیادہ کی جاوے گی۔ جو تمہارے حساب سے باہر ہے۔ یہ زیادتی سود نہیں کہ مالک اور غلام میں سود نہیں ہوتا. نیز بندوں سے سود لینا حرام ہے. کیونکہ سود دینے والا تباہ ہو جاوے گا. خدائے قدوس کے خزانہ میں کوئی کمی نہیں. لہٰذا اس سے سود لینا جائز ہے. اگر یہ زیادتیاں نہ ہوں تو قیامت میں ہمارا دیوالہ ہو جائے. کہ اہل حقوق سوائے روزے کے باقی تمام عبادات معاوضۂ حق میں لے لیں گے. اگر یہ زیادتیاں رب نہ فرماوے تو کس طرح کام چلے (روح البیان یہ ہی آیت)۔

حکایت ۔ امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں قحط پڑا آپ نے باہر سے غلہ منگایا. مدینہ پاک کے بیوپاری جمع ہو کر خریدنے کے لئے آئے تو آپ نے فرمایا کہ میں اس کو غلہ دوں گا جو سات سو گنا نفع دے. بیوپاریوں نے کہا کہ ایسا خریدار کون ملے گا؟ فرمایا کہ میرا رب خریدار ہے. اور وہ آیت پڑھی کَمَثَلِ حَبَّۃٍ اَنۡۢبَتَتۡ سَبۡعَ سَنَابِلَ الآیہ اور تمام غلہ خیرات کر دیا۔

(۵) وَاللّٰہُ یَقۡبِضُ وَیَبۡصُۜطُ کی کئی توجیہیں ہیں. ایک یہ کہ طریقۂ الٰہی یہ ہے کہ بعض سے لیتا ہے اور بعض کو دیتا ہے. اگر تم نے اس طرح نہ دیا تو اور طرح تمہارا مال دوسروں کے پاس پہنچائے گا. بیماری، مقدمہ بازی، چوری وغیرہ. دوم یہ کہ خدا تعالیٰ کسی پر روزی تنگ فرماتا ہے اور کسی پر کشادہ. تو چاہئے کہ اغنیاء فقراء پر

سخاوت کریں. سوم یہ کہ ایک ہی شخص پر کبھی تنگ زمانہ آتا ہے کبھی وسیع . تو آدمی وسعت کے زمانہ کو غنیمت جانے اور راہِ مولےٰ میں خیرات کرے. یہ وقت سدا نہ رہے گا ؎

جو کل کرنا ہے آج ہی کر جو آج کرے سو اب کرلے
جب چڑیوں نے چگ کھیت لیا پھر ہو ہو سے کیا ہووت ہے

نکتہ قبض و بسط یعنی تنگی اور کشادگی ہر طبقہ کو ہوتی ہے. واعظین، علماء عابدین، عاملین، اولیاء اللہ کوئی ہمیشہ ایک حال پر نہیں رہتا۔ ایک بار صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یا حبیب اللہ جب تک ہم مجلس پاک میں رہتے ہیں. تو ہمارے قلوب کا اور حال ہوتا ہے. اور جب گھر بار میں جاتے ہیں تو بچوں اور بیوی میں مشغول ہو جاتے ہیں. فرمایا اگر ہمیشہ تمہارا یکساں حال رہے تو ملائکہ تم سے مصافحہ کریں. مگر ساعۃً فساعۃً گلستان میں فرماتے ہیں کہ لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیہ ملك مقرب ولا نبی مرسل ؎

کسے پرسید ازاں گم کردہ فرزند ؛ کہ اے روشن گہر پیرِ خردمند
ز مصرش بوئے پیراہن شنیدی ؛ چرا در چاہِ کنعانش ندیدی
بگفت احوالِ ما برقِ جہانست ؛ دمے پیدا و دیگر دم نہاں ست
گہے بر طارمِ اعلےٰ نشینم ؛ گہے بر زیرِ پائے خود نہ بینم

یعقوب علیہ السلام نے مصر سے قمیص فرزند کی خوشبو پالی. مگر جب وہ ملہِ کنعان چاہِ کنعان میں رہا. تو خوشبو محسوس نہ ہوئی. کہ یہ قبض ہے وہ بسط ؛

ایک بار فقراء اور اغنیاء میں مناظرہ ہوا. اغنیاء نے کہا کہ ہم فقراء سے افضل ہیں. کہ خدا نے ہم سے قرض طلب فرمایا۔ فقراء نے کہا کہ ہم افضل ہیں. کہ ہمارے لئے قرض طلب فرمایا۔ اور کسی سے قرض لینا محبت کی خاص علامت نہیں

ہاں کسی کے لئے قرض لینا علامتِ محبت ہے۔ حضور علیہ السلام نے یہودی سے قرض لیا اپنے اہل کے لئے لیا تو اہل محبوب تھے نہ کہ یہودی ؛

اُس کا کرم تو دیکھو۔ مال اُس کا مالدار اُس کا اور بندۂ محتاج اُس کا۔ اپنے بندے کو اپنا مال دیا۔ پھر اپنے ہی بندے کو دلوایا۔ اور اُسے قرض کی طرح اپنے پر لازم فرمالیا۔ ورنہ حق یہ ہے کہ ؎

جان دی دی ہوئی اُسی کی تھی ؛ حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

۴۸۶

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ ۝

اِس آیت میں چند امور قابلِ غور ہیں :-

(۱) دنیا کی ہر چیز کسی نہ کسی مدعیٰ کے لئے بنی ہے جو کوئی اُس کے خلاف استعمال کرے اُس کو دیوانہ کہتے ہیں۔ ٹوپی پاؤں میں پہننے اور جوتا سر پہ رکھنے والا اور گلاس میں تھوکنے والا اور اُگالدان میں پانی پینے والا دیوانہ ہے۔ نیز اگر چیز اپنا مقصد پورا نہ کرے، تو بے قیمت اور بیکار ہوتی ہے۔ اگر گھڑی کسی طرح کام نہ دے تو پھینکنے کے لائق ہے۔ اور اگر بکری گائے وغیرہ دودھ کسی طرح نہ دے تو قصائی کو دے دی جاتی ہے۔ اب دیکھنا چاہئے کہ ہم کس مقصد کے لئے بنے اور وہ مقصد ہم نے پورا کیا یا نہ کیا۔ یہ آیت اسی کو بتا رہی ہے ؛

(۲) قاعدہ یہ ہے کہ ہر ادنےٰ چیز اعلےٰ پر قربان کی جاتی ہے۔ ہاتھ سر پہ قربان ہوتا ہے کہ تلوار کا وار روکتا ہے، اور مال جان پہ، جان آبرو پر اور آبرو ایمان پر نثار کئے جاتے ہیں۔ عناصر اور موالید اربعہ یعنی جمادات، نباتات، حیوانات، انسان میں یہ ہی ترتیب ہے۔ کہ زمین کو دانہ کے لئے چیرا گیا۔ اور قربان کیا گیا۔ اور نباتات کو جانوروں نے کھایا اور جانوروں کو انسان نے کھایا اور اُن سے کام

لیا۔ غرضکہ ہر ادنےٰ اعلےٰ پر قربان ہوا۔ انسان مخلوق میں سب سے اشرف د لقد کرمنا بنی آدم سب کچھ اس کے لئے پیدا کیا گیا۔ خلق لکم ما فی الارض جمیعًا مگر یہ کسی مخلوق کے لئے نہ بنا، بلکہ رب کی عبادت کے لئے وما خلقت الجنّ والانس الّا لیعبدون۔ خیال رہے کہ ہر چیز انسان ہی کے لئے بنی۔ مگر کوئی کھانے کو، کوئی دیکھنے کو، کوئی نصیحت حاصل کرنے کو۔ ہر چیز کھانے ہی کو نہیں بنی۔ کہ خنزیر بھی کھاؤ اور گائے بھی۔ ہر عورت مرد کے لئے بنی۔ کوئی ماں بننے کو، کوئی بیٹی اور بہن بننے کو، کوئی بیوی بننے کو۔ انسان کی ضرورتیں مختلف ہیں یہ چیزیں مختلف ضرورتیں پوری کرنے کے لئے پیدا ہوئیں۔ ہر چیز سے ایک ہی ضرورت پوری نہیں کر سکتے۔ مگر اب سوال یہ ہے۔ کہ انسان بھی کسی کے لئے بنا، یا نہیں؟ تو فرمایا گیا۔ کہ سب تمہارے لئے اور تم ہمارے لئے۔ مخلوق تمہارے لئے اور تم خالق کے لئے۔ اگر تم نے اپنی حکمت حیات یعنی عبادت کو پورا کیا تو ہم بھی تمہارے ہیں کہ ما ارید منہم من رزق وما ارید ان یطعمون اور اگر ہم نے اپنا مقصدِ حیات پورا نہ کیا، تو سمجھ لو کہ نمرود نے جب دعویٰ خدائی کیا تو مچھر نے اتنا پریشان کیا کہ دن ورات جوتا اُس کے سر پہ پڑتا تھا۔ کیونکہ اُس نے اپنے دماغ کو غیر ما خلق لہٗ میں استعمال کیا۔ تو اسی کے سر پہ غیر ما خلق لہٗ استعمال کیا گیا۔ وہ عابد سے معبود بنا تو جوتا بجائے پاؤں کے اُس کے سر پہ پہنچا۔ جس سر میں خیال عبادت ہے اُس پہ تاج ہے۔ اور جس سر میں ہوائے نفسی ہے اُس پہ جُوتا ہے

آدمی ہست از برائے بندگی ؎ زندگی بے بندگی شرمندگی

(۲) عبادت ہر وہ کام ہے جو کسی کو رب سمجھ کر یا رب کا شریک یا رب کا مثل وغیرہ سمجھ کر اُس کو راضی کرنے کے لئے کیا جاوے۔ جب تک کہ انتہائی تعظیم (جو الوہیت کا نتیجہ ہے) کا خیال نہ ہو۔ تب تک فاعل کو عابد نہ کہا جاوے گا۔ اور

نہ اُس کا فعل عبادت کہلائے۔ عبادت کی دس صورتیں ہیں۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ حج، تلاوتِ قرآن، ہر حال میں خدا کا ذکر، طلب حلال، مسلمین کے حقوق کی ادا تبلیغ، اتباع سنت۔ یہ اصول عبادت ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ جو مباح کام دنیاوی ہو یا دینی رضائے الٰہی کے لئے کیا جاوے۔ وہ عبادت ہے جیسا کہ شامی کتاب الاضحیہ اور مرقاۃ المفاتیح میں ہے۔ نیز انبیائے کرام کی اطاعت اور اُن کی کسی قسم کی تعظیم اور اُن سے استمداد نہ عبادت غیر اللہ ہے اور نہ شرک کہ استمداد کا حکم قرآن کریم میں ہے وتعاونوا علی البرّ والتقویٰ: استعینوا بالصبر والصلوٰۃ: ان تنصروا اللہ ینصرکم: واعینوانی بقوۃ: حضرت ربیعہ ابن کعب اسلمی نے عرض کیا اسئلك مرافقتك فی الجنّہ حضور علیہ السلام نے فرمایا فاعنی علیٰ نفسك بکثر السجود (مشکوٰۃ باب فضل السجود) اس میں حضور سے مانگنا بھی ہے اور استمداد بھی۔ اس کی تحقیق کے لئے ہماری کتاب جاء الحق دیکھو ۞ ؎

حاکم حکیم داد و دوادیں یہ کچھ نہ دیں ٭ مردود یہ مراد کس آیۃ خبر کی ہے

اس آیت میں جن کو انسان پر اس لئے مقدم کیا کہ پیدائش میں جن مقدم ہیں۔ نیز جن زیادہ سرکش ہیں کہ ناری ہیں۔ خیال رہے کہ کسی کو رضائے الٰہی کے لئے راضی کرنا بھی عبادت ہے۔ لہٰذا والدین، اُستاد، مرشد کو رضائے الٰہی کے لئے راضی کرنا رب تعالیٰ کی عبادت ہے۔ اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور مصطفےٰ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو راضی کرنا رضائے الٰہی کے لئے رب تعالیٰ کی عبادت ہے ؎

چکی کے پاٹن دیکھ کر دیا کبیرا روئے ٭ جو پاٹن میں آگیو سو اُن میں بچا نہ کوئے
چکیا چکیا سب کہیں کِلیا کہے نہ کوئے ٭ جو کِلیا سے لاگو اس کا بال نہ بیکا ہوئے

اگر سب آفات سے بچنا چاہے تو اُس ایک کے ہو جاؤ. اور ایک کے اس طرح بنو. کہ اُس ایک نے ایک بندہ خاص کو پیدا فرمایا ہے. جو اُس بندے کا ہو رہا وہ سب کا ہو گیا ؎

جو بندہ تمہارا وہ بندہ خدا کا ؛ جو بندہ خدا کا وہ بندہ تمہارا

بلکہ وہ ہی عبادت قبول ہے جو اُس محبوب کی اطاعت کے ساتھ کی جاوے. مشرکین کفار، عیسائی، یہودی تارک الدنیا بھی ہوتے ہیں. نفس کشی بھی کرتے ہیں. مگر نہ عابد ہیں نہ عارف. مومن اگرچہ دنیا کے سارے کاموں میں مشغول رہے مگر صدقِ دل سے پنج وقتی ہی پڑھ لے. ان شاءاللہ عابدوں کے زمرے میں آ گیا. کہ اُس نے حضور کی اطاعت میں رب کی عبادت کی. اسی لئے رب تعالیٰ نے عبادت کا حکم دیا. مگر اس کی تفصیل نہ کی. کہ زندگی پاک مصطفےٰ اِس آیت کی زندہ تفسیر ہے ؛

۷۸۶

إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝ وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ

اِس آیت میں چند امور قابلِ غور ہیں :-

(۱) اس کا شانِ نزول یہ ہے کہ ایک بار حضور سیّد عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے بنی اسرائیل کے ایک شخص کا ذکر فرمایا جس کا نام تھا شمعون. کہ اُس نے ایک ہزار ماہ یعنی ۸۳ سال ۴ ماہ مسلسل جہاد و دیگر عبادات کیں. صحابہ کرام کو اس پر رشک ہؤا جو شرعاً جائز ہے. اور مایوسی ہوئی. کہ ہماری تو کل عمریں بھی اتنی نہیں ہوتیں. ہم اس کے درجہ تک کیسے پہنچیں. تب یہ سورۃ نازل ہوئی. جس میں فرمایا گیا. کہ اے مسلمانو! تمہیں ایک رات یعنی شب قدر ایسی دی جاتی ہے جو ہزار مہینوں سے افضل ہے. اگر تم اس رات میں عبادت کرو. تو تم شمعون سے بڑھ

چڑھ کر ثواب پاؤ گے. تو جو کوئی اپنی عمر میں چند بار شب قدر میں عبادت کرے اُس کا پوچھنا ہی کیا. اس آیت سے معلوم ہؤا. کہ مسلمان وہ مزدور ہیں کہ کام کریں تھوڑا مگر اجرت پاویں زیادہ. جیسا کہ حدیث پاک میں وارد ہؤا کہ یہود اس مزدور کی طرح ہیں جو تھوڑی اُجرت پر صبح سے دوپہر تک کام کرے. اور عیسائی اُس مزدور کی طرح ہیں جو ظہر سے عصر تک تھوڑی مزدوری پر کام کرے، مگر اے مسلمانو! تم اُس مزدور کی طرح ہو جو عصر سے مغرب تک دوگنی مزدوری پائے۔

(۲) قرآن پاک آہستہ آہستہ ۲۳ سال میں نازل ہؤا. اور قراءۃً نازل ہؤا نہ کتابتہً. اس لئے کہ آہستہ اُترنے میں نسخ آیات ممکن ہے. اور اس میں نبی کی تعظیم زیادہ کہ ہمیشہ مالک کی طرف سے ہدیہ آتا رہے. قراءۃً نازل فرمانے سے بہت سے معنے لب و لہجہ حاصل ہو جاتے ہیں. جو کتابت میں حاصل نہیں ہو سکتے. جیسے کوئی کہے تم حج کو جاؤ گے. اس ایک فقرے میں اختلافِ لہجہ سے چند معنے بنتے ہیں. امر، اخبار، استفہام، تمسخر، تعجب. لیکن لکھنے کی صورت میں یہ بات حاصل نہیں ہو سکتی. مگر یہاں آرہا ہے انزلنا یعنی اچانک اتارا. اب اس آیت کو واقعہ کے مطابق کس طرح کیا جاوے. اس کے چند جواب ہیں اوّل تو یہ کہ عرش سے آسمانِ دنیا کی طرف نزول اس شب میں ہؤا. مگر زمین پر ۲۳ سال میں یا ابتداء نزول حضور علیہ السلام پر اس رات میں ہوئی. تو معنے ہونگے کہ نزول کو شروع فرمایا. یا ہر سال روح الامین علیہ السلام اس شب میں آکر حضور علیہ السلام کو سارا قرآن کریم سُناتے تھے. اگرچہ یہ سُنانا اجراء احکام کے لئے نہ ہوتا تھا. مگر یہاں وہ ہی مراد ہے. جب قرآن کے نزول کے سبب یہ رات بہت افضل ہوئی. تو جس رات یا جس دن میں صاحبِ قرآن کی جلوہ گری ہوئی. وہ تو اس سے بھی افضل ہونی چاہیئے. اسی لئے سیّدنا امام مالک کا قول

ہے کہ شب ولادت شب قدر سے افضل و اعلےٰ ہے۔ اور دوشنبہ جمعہ سے اور آبادیٔ مدینہ آبادیٔ مکہ سے کہ کونین کے دولہا سے ان کو خاص نسبت ہے ۔

(۳) اس شب کو لیلۃ القدر چند وجوہ سے کہتے ہیں۔ اس میں سال آئندہ کے امور مقرر کر کے ملائکہ کو سپرد کر دیئے جاتے ہیں۔ قدر بمعنی تقدیر یا قدر بمعنی عزّت یعنی عزّت والی رات۔ اضافۃ موصوف الی الصفتہ۔ یا اس میں قدر والی چیز یعنی قرآن نازل ہؤا۔ یا جو عبادت اس میں کی جاوے اس کی قدر ہے۔ یا قدر بمعنی تنگی ومن قدر علیہ رزقہٗ یعنی ملائکہ اس رات میں اِس قدر آتے ہیں کہ زمین تنگ ہو جاتی ہے۔ ان وجوہ سے اسے شب قدر یعنی قدر کی رات کہتے ہیں ۔

(۴) یہ رات کب ہوتی ہے؟ اس کا قطعی علم تو اللہ اور اس کے رسول کو ہی ہے۔ اسی لئے اگر کوئی شخص اپنی بی بی کی طلاق شب قدر پر معلق کرے۔ تو تعلیق سے ایک سال بعد طلاق واقع ہو گی۔ جمعہ کی ساعت، شب قدر، اسم اعظم، صلوٰۃ وسطیٰ اسی لئے قطعاً ظاہر نہ فرمائے گئے۔ کہ لوگ اس کی تلاش میں کوشاں رہیں۔ ہاں ظاہر یہ ہے کہ رمضان کی ستائیسویں ہو گی۔ چند دلائل سے۔ ایک یہ کہ لیلۃ القدر میں نو حرف ہیں۔ اور اس کو اس سورۃ میں تین جگہ فرمایا گیا۔ جس کا مجموعہ ۲۷ ہؤا۔ دوم اس لئے کہ اس سورۃ میں کل تیس کلمات ہیں اور ھِیَ ۲۷ ستائیسواں کلمہ ہے۔ معلوم ہؤا کہ شب قدر ستائیسویں رات ہے۔ (ابن عباس و روح البیان)۔ سوم عثمان ابن ابی العاص کے غلام نے کہا۔ کہ اے مولیٰ دریا کا پانی ایک دن میٹھا ہو جاتا ہے۔ تو انہوں نے کہا کہ اب کے خیال رکھنا۔ خیال کیا گیا تو وہ تاریخ ستائیسویں تھی۔ نیز یہاں تو فرمایا گیا کہ قرآن شب قدر میں اُترا۔ دوسری جگہ ارشاد ہؤا کہ شھر رمضان الّذی انزل فیہ القراٰن یعنی ماہِ رمضان میں قرآن اُترا۔ معلوم ہوا کہ شب قدر ماہ رمضان میں ہے ۔

(۵) اس رات کے اعمال یہ ہیں کہ زیادہ سے زیادہ ہزار رکعتیں نفل پڑھے کم از کم دو درمیانی سو۔ ہر رکعت میں ایک بار انّآ انزلناہ اور تین بار سورۂ اخلاص پڑھے۔ دو دو رکعت کی نیت کرے، بعد سلام درود شریف پڑھے کثرت سے پڑھ کر پھر دوسری نیت باندھے۔ یہ ہی کرتا رہے۔ اور یہ دعا پڑھے، اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ۔ اسی رات تراویح میں ختم قرآن کرے۔ اگر ہو سکے تو تمام رات جاگے۔ ورنہ سحری کھا کر نہ سوئے۔ سحری رات کے آخری چھٹے حصے میں کھائے ؎

(۶) وَمَآ اَدْرٰکَ مَا لَیْلَۃُ الْقَدْرِ میں ارشاد ہے کہ کس چیز نے آپ کو بتایا کہ شب قدر کیا ہے۔ یہ استفہام انکاری ہے یعنی سوائے وحی الٰہی کے اور کوئی شئے اس مخفی راز کو نہیں بتا سکتی۔ یا ما نافیہ ہے۔ تو درایۃ کے معنے ہوئے عقل سے پتہ لگا لینا۔ یعنی اے محبوب باوجودیکہ آپ ہی کامل العقل ہیں۔ اس لئے کہ تمام عالم کی عقول آپ کے عقل کے مقابلہ میں کوئی حقیقت نہیں رکھتیں۔ جب آپ بھی اس کو عقل سے معلوم نہیں فرماتے بلکہ وحی الٰہی سے۔ تو کسی اور عقل کی کیا مجال ہے کہ اس کو خود معلوم کرے۔ جہاں درایۃ کی نفی ہے۔ وہاں یہ ہی مراد ہے۔ علم اور درایۃ میں فرق ہے ؎

(۷) روح میں چند احتمال ہیں۔ روح الامین حضرت جبریل علیہ السلام، یا روح القدس یعنی حضرت جبریل علیہ السلام یا روح ایک خاص جماعتِ ملائکہ ہے۔ باقی سے افضل۔ جیسے کہ ہماری روح اعضائے ظاہری سے افضل یا روح کوئی خاص فرشتہ ہے جس کے ایک ہزار سر ہیں۔ ہر سر دنیا سے بڑا۔ ہر سر میں ہزار چہرے۔ ہر چہرے میں ہزار منہ، ہر منہ میں ہزار زبانیں۔ ہر زبان سے ہزار طرح کی تسبیح و تحمید کرتا ہے۔ ایک دوسرے سے ممتاز۔ مگر اس شب میں ہر روزہ دار

کے لئے تمام زبانوں سے دعائے مغفرت کرتا ہے یا روح وہ عابد ملائکہ ہیں جن کو باقی ملائکہ بھی سوائے اس رات کے کبھی نہیں دیکھتے۔ غرضکہ یہ رات خاص رحمت نازل ہونے کی رات ہے ؁

(۸) سلام کے دو معنے ہیں یا تو یہ کہ تمام رات ملائکہ فوج در فوج آتے رہتے ہیں اور سلام کرتے رہتے ہیں اُن لوگوں کو جو اس رات میں نماز نفل پڑھ رہے ہیں یعنی یہ وقت سلام ہے یا یہ رات ہر آفات سے سلامتی کی ہے۔ کہ اس میں رحمت اور خیر ہی زمین پر اُترتی ہے کہ اس میں نہ جادو گر جادو کر سکے نہ شیاطین اپنا تصرف حتّٰی مطلع الفجر سے معلوم ہوا کہ یہ برکتیں تمام رات ہی رہتی ہیں۔ جو اس رات کے کسی حصّہ میں عبادت کرے وہ اس کے فوائد سے محروم نہ رہا۔ اس لئے جو کوئی تمام رات نہ جاگ سکے وہ بقدرِ طاقت ہی جاگے، ورنہ کم از کم عشاء اور فجر کی نماز جماعت سے پڑھے کہ یہ دو نمازیں جماعت سے پڑھنے میں تمام رات کی عبادت کا ثواب ملتا ہے۔ نیز دعا میں کوشش کرے کہ یہ قبول دعا کی رات ہے۔ خیال رہے کہ قبولیت دعا کے لئے چند چیزیں درکار ہیں، حلال روزی، سچی زبان، سینہ کینہ سے پاک، اخلاص، حاضر دل، آنکھ کے آنسو۔ لہٰذا چاہئے۔ کہ اس رات سے پہلے مسلمان آپس کی کدورتیں دُور کریں، اپنے والدین اور عام بزرگوں کو راضی کرلیں۔ اگر والدین وفات پا چکے ہوں، تو اُن کی قبر کی زیارت کریں اور تمام بھائیوں کے لئے بھی دعائیں کریں۔ رب تعالیٰ توفیقِ خیر دے ؁

۸۶

هُوَ الَّذِىْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ الآیہ

یہ آیت کریمہ عقائد ایمانیہ کی ایک فہرست ہے۔ اس میں خدا اور رسول

اور صحابہ کرام کا تعارف کرایا گیا ہے ؎

(۱) خدائے پاک نے اپنی معرفت اس طرح کرائی۔ کہ وہ ایسا قدرت والا ہے جس نے ایسے رسول کو مبعوث فرمایا۔ اور رسول ایسے ہیں کہ جن کے غلام ایسی ایسی شانوں والے ہیں۔ اس کی دو وجہ ہیں۔ اولاً تو اگر آفتاب کو دیکھنا ہو، تو شیشہ یا پانی میں دیکھتے ہیں۔ کیونکہ آنکھ سورج کو بلا واسطہ دیکھنے کی قدرت نہیں رکھتی تو واسطہ کی ضرورت درپیش آئی۔ اسی طرح ذات باری تعالیٰ کو بلاواسطہ پہچاننا سخت مشکل تھا۔ لہٰذا ایک آئینہ خدا نما کی ضرورت پڑی۔ اسی طرح ذات مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پہچاننے کے لئے رسول نما آئینوں کی ضرورت تھی وہ صحابہ کرام ہیں۔ رب تعالیٰ کو حضور سے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو صحابہ سے پہچاننا ضروری ہے ؎

اِس پہ ھوالذی گواہ شیشہ حق نمانبی ؎ دیکھ لو جلوۂ نبی شیشہ چار یار میں

دوسرے اس لئے کہ کوئی کاریگر اپنی کاریگری جب بیان کرتا ہے تو کہتا ہے کہ مَیں وہ ہوں جس نے اپنے زورِ ہنر سے فلاں چیز بنائی۔ عالم کہتا ہے کہ مَیں وہ ہوں جس نے اپنے زورِ علم سے فلاں شاگرد ایسا لائق بنایا۔ تو صانع عالم بھی اپنی مصنوعات میں سے ایک بے مثل ہستی کے ذریعہ اپنی شانِ صناعی ظاہر فرماتا ہے۔ اور دستِ قدرت بھی اس انوکھی ذات پہ ناز فرماتا ہے ھوالذی الآیہ

(۲) ایک لالٹین میں چار شیشے ہیں رنگ برنگے۔ بیچ میں لیمپ جل رہا ہے۔ جب ہرے شیشہ کی طرف دیکھو تو روشنی ہری معلوم ہوتی ہے۔ جب سُرخ کی طرف سے دیکھو تو سُرخ۔ پیلے کی طرف سے پیلی۔ حقیقت میں روشنی اور لیمپ تو ایک ہی ہے مگر شیشے رنگ برنگے۔ جو اُس ہی ایک لیمپ سے چمک رہے ہیں۔ اسی طرح صدیق، فاروق، عثمان، حیدرِ کرار مختلف رنگ والے آئینہ

ہیں. جو سب ایک شمع مصطفائی سے جھلک رہے ہیں. کہ سب رنگوں میں مختلف مگر اصل میں ایک. کہیں صدیقیت جلوہ گر تو کہیں فاروقیت کی شان نمایاں، کہیں عثمان کی غنا کا ظہور، کہیں حیدری طاقت ظاہر. ہم نے حضور علیہ السلام کو مان کر قرآن کریم مانا. پھر کیا وجہ ہے کہ قرآن نے آپ کا تعارف کرایا کہ محمد رسول اللہ. یہ تو تحصیل حاصل ہوئی. پہلے وہ دل میں آئے تب قرآن سر اور ہاتھ میں اور قرآن نے بھی اُنہیں کو بتایا۔ اس کی کیا وجہ ہے

وہ جس کو ملے ایمان ملا ٭ ایمان تو کیا رحمان ملا

قرآن بھی جب ہی ہاتھ آیا ٭ جب دل نے وہ نورِ ہدیٰ پایا

جواب یہ ہے کہ شاید کوئی نادان کہدیتا کہ حضور خدا رسی کا وسیلہ ہیں۔ اور وسیلہ مقصود حاصل ہونے پر چھوڑ دیا جاتا ہے. جب ہم خدا تک پہنچ گئے۔ اب مصطفےٰ علیہ السلام کی کیا ضرورت. جیسے ریل مقصود پہ پہنچکر چھوڑ دی جاتی ہے لہٰذا جواب دیا گیا. کہ محبوب تو ایسا وسیلہ ہیں جیسے روشنی کے لئے شمع. کہ اور شمع گُل کر دی جاوے تو نور بھی ختم. اس لئے ہم ان کی گواہی دے رہے ہیں نیز قیامت تک قرآن دشمن و دوست پڑھیں گے. نماز، وظائف اور اعمال میں تلاوت کیا جائے گا. جب اُس میں نامِ مصطفےٰ ہوگا، تو ہر جگہ حضور کا چرچا ہوگا. حضور علیہ السلام نے تو قرآن کا چرچا کیا اور قرآن نے اپنے لانے والے کا. نیز قرآن کتاب اللہ ہے اور حضور نور اللہ۔ اور بغیر نور کتاب نہیں پڑھی جا سکتی اسی طرح بغیر ذکر محبوب صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قرآن کی سمجھ ناممکن ہے. نیز ذکر اللہ غذا لئے روح ہے، اور ذکر مصطفےٰ اس کا نمک، بغیر نمک کھانا پھیکا ہے ہے

ذکر سب پھیکے جبتک نہ مذکور ہو ٭ نمکین حسن والا ہمارا نبی

لہٰذا قرآن میں حضور علیہ السلام کا ذکر ضروری تھا ۔

(۴) صحابہ کرام کے چار صفات اس آیت میں بیان ہوئے ۔ ساتھ ہونا، کفار پر سخت ہونا، آپس میں رحیم ہونا، رب تعالیٰ کا عابد ہونا ۔ یہ تمامی صفات تمام صحابہ کرام میں اگرچہ موجود ہیں ۔ مگر خلفائے راشدین علے الترتیب ہر ایک وصف کے مظہر اتم ہیں ۔ حضرت صدیق نے ایسی ہمراہی اختیار کی کہ عالمِ ارواح میں ساتھ رہے ۔ جیسا کہ روض الریاحین سے ثابت ہے کہ قطرۂ اول سے حضور نے نور کی پیدائش اور ثانی سے حضرت صدیق کی (دیکھو ہمارا فتاویٰ) دنیا میں مثل سایہ ساتھ، ہجرت میں ساتھ، غار میں ساتھ، حتیٰ کہ دفن میں ساتھ، قبر میں ساتھ قیامت کے دن اُٹھنے میں ساتھ، جنّت میں ساتھ ؎

والذین معہٗ کے ہیں یہ فردِ کامل
حشر تک پائے نبی پر ہیں دھرے سر صدیق

معراج میں ساتھ، ورنہ تصدیق تو سب نے کی ۔ مگر صدیق صرف انہی کا لقب ہوا ۔ معلوم ہوا کہ دیکھ کر تصدیق کی ہے ۔ ان ہی کی شان میں ارشاد ہے ثانی اثنین ۔ تو اس طرح ثانی ہوئے ۔ کہ پیدائش میں، وفات میں، دفن میں اور خلافت میں ثانی ہی رہے ؎

ثانی اثنین ہیں بوبکر خدا گواہ میرا
حق مقدم کرے پھر کیوں ہوں مؤخر صدیق
زیست میں موت میں اور قبر میں ثانی ہی رہے
ثانی اثنین کے اس طرح ہیں مظہر صدیق

اشدّاءُ علی الکفار کے مظہرِ اتم فاروق اعظم ہیں ۔ کہ ایک بار کچھ عورتیں دف بجا رہی تھیں ۔ حضرت صدیق آئے، بجاتی رہیں ۔ حضرت ذوالنورین حاضر ہوئے

بجاتی رہیں. مگر حضرت فاروق کی حاضری پہ وہ دف چھوڑ کر بھاگ گئیں. سرکار ابد قرار صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عمر! شیطان تم سے بھاگتا ہے کہ تمہارا راستہ بھی چھوڑ دیتا ہے ؛

نکتہ کیا یہ شیطانی فعل تھا ؟ تو حضور سے شیطان کیوں نہ بھاگا ؟ اور حضور نے اس میں شرکت کیوں فرمائی ؟ اور اگر شیطانی نہ تھا تو حضرت فاروق سے کیوں دفع ہوا ؟ **جواب** یہ ہے. کہ ایک ہی فعل ایک کے لئے شیطانی اور دوسرے کے لئے جائز ہو سکتا ہے. حضرت فاروق کے لئے یہ فعل شیطانی تھا. دیگر حضرات کے لئے جائز. یہ دلیل ہے حضرات صوفیاء کی قوالی کے لئے کہ لاٰھلہ حلال و لغیرہ حرام. اور اگر مجلس میں کوئی غیر اہل آگیا سب کو حرام. ان کی فاروقیت کی یہ شان ہے. کہ اگر کسی کو احتلام کا مرض ہو تو سوتے وقت لفظ عمر سینہ پہ لکھ کر سوئے. اثر شیطانی سے محفوظ رہے گا. اب بھی روافض پہ فاروقی مار ہے. کہ خود ہی ماتم کے بہانے اپنے تبرّے کی سزا پاتے ہیں. یہ سینہ کوبی، سر کوبی ماتم نہیں، فاروقی سزا ہے ؛

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں قحط سالی ہوئی. باہر سے بہت سا گیہوں آیا. مدینہ منورہ کے بیوپاریوں نے نفع دے کر خریدنا چاہا. فرمایا کہ میں اُس کو دونگا جو مجھے سات سو گنا نفع دے. لوگوں نے عرض کیا کہ ایسا کون خریدار ہے ؟ فرمایا وہ میرا رب ہے. آیت مثل نفقاتھم کمثل حبۃٍ پڑھ کر تمام ہی خیرات فرمایا. ایک جنگ میں تین سو اونٹ مع سامان اسی قدر اشرفیاں حاضر بارگاہِ رسالت کیں. سرکاری حکم ہوا. کہ عثمان اب جو چاہیں کریں. اُنھیں کوئی کام مضر نہ ہوگا. اِس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عثمان کی دستگیری توفیقِ الٰہی کرے گی کہ بُرے کام اُن سے ہوں گے ہی نہیں. جیسے کہ پرندے کے پَر کاٹ کر اُس سے

کہو کہ جا اُڑ جا۔ اسی طرح قلب عثمانی میں جلوہ گر تو خود ہو گئے، بُرے فعل کو کون کرے
حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عبادت کا یہ عالم۔ کہ ایک تیر ایسا لگا کہ جسم پاک سے
کھچ نہ سکا۔ تو حکم ہوا۔ کہ نماز میں کھینچ لیا جاوے۔ چنانچہ ایسا ہی عمل ہوا۔ اور اُن کو
احساس بھی نہ ہوا۔ خانہ کعبہ میں ولادت ہوئی۔ شریعت و طریقت، حقیقت و معرفت
کا مرکز آپ ہی ہیں۔ حضور کے نسل کی آپ ہی اصل ہیں۔ اولیاء کو ولایت آپ ہی
سے ملتی ہے ؎

اِس آیت سے دو باتیں بخوبی واضح ہوئیں۔ ایک یہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ و
السلام ذات الٰہی کے مظہر اتم ہیں۔ کہ حضور بھی ایسے ہی یکتائے روزگار ہیں کہ اُن کی
ہر وصف عمل و علم و قدرت کو دیکھ کر خدا تعالیٰ کی یکتائی یاد آتی ہے ؎

بے مثلِ حق کے مظہر ہو ؎ پھر مثل تمہارا کیونکر ہو
نہیں کوئی تمہارا ہم رتبہ ؎ نہ کوئی تیرا ہمپایہ پایا

تجھے ایک اللہ نے اک بنایا۔ تو ہر وصف میں لاشریک لہٗ ہے۔ اس سے حضور
علیہ السلام کا ممتنع النظیر ہونا، علم غیب و قدرت وغیرہ کا تمامی امور بخوبی ثابت
ہوئے۔ دوسرا یہ کہ جس کے شاگرد ایسے اعلیٰ ہوں کہ کوئی صدیق ہے کوئی فاروق،
تو استاذ کیسا قابل ہوگا۔ لہٰذا جو شخص صحابہ کرام کے فضل کا منکر ہے وہ حقیقت
میں حضور علیہ السلام کے کمالِ تعلیم کا منکر ہے، کہ شاگردوں کی قابلیت کا انکار
حقیقت میں استاذ پر طعن ہے۔ غضب ہے کہ آسمان کا سُورج گندی زمین کو
خشک کر کے پاک فرمادے۔ اور مدینہ کا سُورج اپنے ساتھیوں کو پاک نہ فرما
سکیں صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ؎

قدرتی امر ہے کہ انبیاء صاحب شریعت چار، کتب سماویہ چار، ملائکہ
مقربین کے افسر چار، طریقت کے سلسلہ چار، سلسلہ شریعت چار، انسان

کے مزاج کی ترکیب کے اجزاء چار ۔ تو ضروری تھا کہ خلفائے راشدین بھی چار ہوں ؎

چار رسل فرشتے چار چار کتب ہیں دین چار
سلسلہ دونوں چار چار لطف عجب ہے چار ہیں
آتش و آب خاک و باد سب کا انہی سے ہے ثبات
چار کا سارا ماجرا ختم ہے چار یار ہیں

چار ہی یار اور چار ہی اہل بیت یعنی علی، فاطمہ، حسین و حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہم ۔ قربان جائیے حضرت علی کے کہ اِن چار میں بھی داخل اُن چار میں بھی ۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اِن کو بھی پنج تن کیا اور اُن کو بھی ۔ سیّدنا علی کی عبادت کا یہ عالم، کہ پیدائش بھی خانہ کعبہ میں یعنی کعبۂ اجسام میں کعبۂ ایمان پیدا ہوئے ۔ آفتاب بھی اُن ہی کی عصر کے لئے خندق میں لوٹا ۔ خود مجمع بحرین کہ طریقت اور شریعت کے امام، حضور کی نسل کی اصل، دیکھو ہمارے مناقب خلفائے راشدین حضرت عثمان غنی کی سخاوت سے اب بھی ہر حاجی پانی پیتا ہے ۔ کہ اہل مدینہ پر پانی کے قحط کے وقت کنواں رومہ وقف کیا ؂

جو یہ کہے کہ حضور علیہ السلام کی صحبت اُن میں مؤثر نہ ہوئی وہ صحبت کی توہین کرتا ہے ۔ کہ پھول تو تلوں کو مہکا وے اور آفتاب کی دھوپ گندی زمین کو خشک کر کے اتنی دُور سے پاک کر دے ۔ مگر آفتاب حقیقی اور سچا پھول اثر نہ کرے، حضور کی صحبت کی تو وہ تاثیر ہے کہ قلب کیا رنگ کو بھی بدل دیتے ہیں ؂

حکایت :- مثنوی شریف میں ہے کہ ایک جنگ میں صحابہ کرام نے بارگاہِ نبوی میں پانی کی شکایت کی ۔ کہ اسلامی فوج میں پانی بالکل نہیں ۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا ۔ کہ اس سامنے والے پہاڑ کے نیچے ایک کالا حبشی اونٹ پر پانی لادے لئے جا رہا ہے ۔ اُسے ہماری بارگاہ میں

حاضر کرو۔ حکم پاتے ہی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہاڑ کے پیچھے پہنچے۔ دیکھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خبر کے مطابق ایک اونٹ پر حبشی غلام دو بڑے مشکیزے پانی کے بھرے لئے جا رہا ہے۔ پوچھا کہ پانی یہاں سے کتنی دُور ہے؟ وہ بولا کہ مَیں کل اسی وقت پانی بھر کر چلا ہوں۔ تو آج یہاں پہنچا ہوں۔ فرمایا کہ پانی کہاں لئے جا رہا ہے؟ عرض کیا کہ مَیں ایک شخص کا غلام ہوں، وہ مجھ سے پانی کا کام ہی لیتا ہے۔ مَیں کل اسی وقت اپنے گھر پہنچوں گا۔ پانی ہمارے یہاں سے دو دن کے راستہ پر ہے۔ فرمایا چل تجھے رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم بلاتے ہیں۔ بولا وہ کون ہیں؟ فرمایا چل تو خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لے۔ کہ وہ کون ہیں۔ کہنے لگا کہ مَیں تو نہیں جاتا۔ فرمایا چلنا پڑے گا۔ آخر کار وہ ضد پہ آگیا۔ علی مرتضےٰ نے جبراً اُس کا اونٹ اُس طرف ہانک دیا۔ وہ چیخا کہ لوگو دوڑو! میرا پانی لُوٹ لیا۔ مگر جس کا ہاتھ علی شیرِ خدا پکڑ لیں اُسے کون چھوڑائے۔ وہ چیختا ہی رہا۔ مگر علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ بارگاہِ نبوی میں لے ہی آئے۔ اُس غلام نے جو بارگاہ شریف دیکھی۔ اور جب چہرۂ انور پہ نگاہ پڑی، سب بھُول گیا۔ اُونٹ سے اُتر کر ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ حیران تھا کہ مَیں زمین پر ہوں یا آسمان پہ، یہ لوگ انسان ہیں یا قدسی آسمان سے اُتر آئے ہیں ؎

آنکھوں آنکھوں میں اشارے ہو گئے ٭ تم ہمارے ہم تمہارے ہو گئے

سرکاری حکم ہُوا کہ اس کا پانی لے لو۔ صحابہ کرام حکم پاتے ہی دوڑے، اپنے مشکیزے بھر لئے۔ پیاسوں نے پانی پیا۔ اونٹوں کو پلایا۔ سارے لشکر میں پانی ہی پانی ہو گیا۔ مگر غلام کی مشک میں ایک بوند بھی کم نہ ہوئی۔ مولانا فرماتے ہیں کہ اُس دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مشکیزہ کا کنکشن حوض کوثر سے کر دیا تھا۔ وہاں سے پانی آ رہا تھا۔ جب سب لوگ پانی لے چکے۔ تو فرمایا کہ تم نے اس سے پانی لیا۔ تم اسے

روٹی دو۔ سب نے اپنے اپنے خیموں سے روٹی کے ٹکڑے جمع کر کے ایک تھیلہ بھر دیا۔ سبحان اللہ وہ کیسی مزے کی بھیک ہوگی جس میں صدیق و فاروق کے ٹکڑے جمع ہوں۔ پھر فرمایا کہ اے غلام اپنا مشکیزہ دیکھ لے۔ ایک قطرہ کم نہیں ہوا۔ ہم نے رب کے فضل سے پانی لیا ہے۔ اور تجھے روٹی دیتے ہیں یہ لے اور جا وہ بولا۔ اب جاؤں کہاں؟ کیا بُلا کے نکالتے ہو۔ مَیں نے سُنا تھا کہ کریم دروازے پر بُلا کر کسی کو نکالا نہیں کرتے۔ مجھے خبر نہیں کہ مَیں کون ہوں، نہ خبر کہ کہاں رہتا ہوں، نہ خبر کہ کہاں سے آرہا ہوں ؎

اک ماہِ مدن گورا سا بدن ٭ نیچی نظریں گُل کی خبریں
دکھلا کے پھبن وہ سُنا کے سخن ٭ مورا لُوٹ گئے سب تن من دھن

فرمایا۔ اچھا، تو یہاں آؤ! کمبل شریف میں لے لیا، نہ معلوم داتا نے کیا دیا اور بھکاری نے کیا لیا۔ کچھ دیر بعد کمبل شریف سے نکالا، تو وہ کالا حبشی چاند جیسا حسین تھا ؎

جمالِ ہمنشیں در من اثر کرد ٭ وگرنہ من چناں خاکم کہ ہستم

اور فرمایا اب تجھے ہم بھیجتے ہیں جا۔ بولا بہت اچھا۔ اونٹ پر بیٹھا اور روانہ ہو گیا۔ اِدھر اس کے مولا کو فکر ہوئی۔ کہ غلام کو دیر کیوں ہوئی۔ جب یہ غلام یہاں سے فارغ ہو کر اپنے شہر پہنچا، تو اُس کا مالک اور دوسرے لوگ اُس کی تلاش میں شہر سے باہر آئے ہوئے تھے۔ اُنہوں نے دُور سے دیکھا۔ کہ اُونٹ تو ہمارا ہے مشکیزہ بھی ہمارا ہے۔ مگر یہ آدمی کوئی اور ہے۔ کیونکہ وہ حبشی تھا یہ رومی، وہ کالا تھا یہ گورا۔ سمجھے کہ شاید یہ کوئی چور ڈاکو ہے، جس نے ہمارے غلام کو مار کر اونٹ پر خود قبضہ کر لیا ہے۔ یہ سمجھ کر لوگ لاٹھیاں لے کر مارنے کو آمادہ ہو گئے۔ غلام چیخا۔ کہ تم مجھے مارتے کیوں ہو؟ وہ بولے تُو ہے کون؟ اور ہمارا غلام جو یہ اُونٹ

اور مشکیزہ لے کر گیا تھا، کہاں گیا؟ وہ بولا کہ میں ہی تمہارا غلام ہوں۔ پرسوں یہاں سے پانی لینے گیا تھا۔ مجھ سے اپنے گھر کے سارے حالات پوچھ لو۔ سب کے نام دریافت کر لو۔ وہ بولے کہ تُو باتیں تو ہمارے غلام کی سی کرتا ہے۔ مگر شکل و صورت میں اُس کے بالکل خلاف ہے۔ اُس کا رنگ کالا، ہونٹ نیلے، دانت بڑے بڑے، ناک پھیلی ہوئی تھی۔ تیرا رنگ گورا، ناک پتلی، دانت چھوٹے ہونٹ نہایت خوبصورت، تُو رومی، وہ حبشی۔ یہ مُعمّہ کیا ہے؟ غلام بولا ؎

ناگہاں لے آں حبشی ہر دو کون ٭ مصطفےٰ پیدا شدہ از بہر عون

صدر را دیدم دیدا ے گشتہ ام ٭ صاحب فضلے وقدرے گشتہ ام

صِبْغَةَ اللّٰهِ ہست رنگِ خم او ٭ ہستہا یک رنگ گردد اندر او

بات یہ ہے کہ میں تھا تو حبشی۔ مگر پانی لے کر آ رہا تھا کہ مجھے راستہ میں صدر العلےٰ کہف الورٰی، سید الانبیاء صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم مل گئے۔ جن کے پاس توحید کی ایک ماٹ تھی جس میں لوگوں کو غوطہ دے کر کسی کو صدیق بناتے تھے، کسی کو فاروق، کسی کو غنی، کسی کو کرار۔ مجھے اُس توحیدی رنگ میں غوطہ دیا جس سے میرا کالا دل تو روشن ہو ہی گیا، صورت بھی گوری ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ اُس غلام کے طفیل ہمارے بُرے رنگ بھی بدل دے۔ آمین ٭

یہ تو تھا اُس غلام کا حال جسے ایک آن صحبت پاک نصیب ہوئی۔ وہ حضراتِ صحابہ کرام جو سایہ کی طرح ہر دم ساتھ رہیں اُن کا مرتبہ بجز پروردگار کوئی نہیں جان سکتا ٭

۷۸۶

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ

اِس آیت کریمہ میں چند امور قابلِ غور ہیں۔ اوّلاً تو شانِ نزول۔ دوم اس کے احکام۔ شانِ نزول تو یہ ہے۔ کہ یہودنے ترقی اسلام دیکھ کر اور مشرکین مکہ کی بے بسی معلوم کر کے ایک کمیٹی کی۔ کہ بانئ اسلام صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہم طاقت سے نہ مغلوب کر سکے۔ اب آپ کو علمی مقابلہ کے لئے دعوت دینی چاہیئے۔ لہٰذا وہ اپنے حبر الاحبار مالک ابن صیف کے پاس گئے۔ اور اس سے سرکار ابد قرار علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مناظرہ کرنے کی درخواست کی۔ اُس نے بہت غرور سے کہا کہ مَیں تو پہلے ہی کہا کرتا تھا کہ علم وفضل کا مقابلہ تلوار سے نہیں ہوسکتا۔ وہ تو علم پیش کر رہے ہیں اور تم لوگ تلوار۔ اگر پہلے سے تم لوگ میرے پاس آجاتے، تو اب تک میں نے مناظرہ کر کے اسلام کو ختم بھی کر دیا ہوتا۔ یہ لوگ معذرت کر کے اُس کو لائے۔ یہ تھا بہت موٹا مثلِ خر۔

جب یہ لوگ بارگاہِ رسالت میں مناظرہ کی غرض سے حاضر ہوئے۔ تو حضور علیہ السلام نے پوچھا۔ کہ تم سب کی طرف سے کون مناظر ہوگا؟ اُن سب نے کہا کہ ہمارا یہ بڑا عالم ہے حضور سیّد عالم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے اُس سے مخاطب ہوکر فرمایا۔ تُو ہی مناظرہ کرے گا؟ عرض کیا ہاں۔ فرمایا توریت تُو نے پڑھی ہے بولا کہ ہاں۔ فرمایا کہ کیا تو نے توریت کی یہ آیت بھی پڑھی۔ کہ ان اللّٰہ یبغض الحبر السمین یعنی خدائے پاک حرام خور، موٹے عالم کو ناپسند فرماتا ہے۔ وہ بولا کہ ہاں۔ فرمایا کہ وہ موٹا عالم، تن پرور تو ہی تو ہے۔ تو بحکم توریت مردود بارگاہِ الٰہی ہے۔ کہ نہ روزہ رکھتا ہے، نہ کوئی اور عبادت کرتا ہے۔ ہر وقت تن پروری کرتا ہے۔ وہ غصہ میں جھنجھلا گیا۔ اور بولا کہ ما انزل اللّٰہ علیٰ بشرٍ من شیءٍ خدا نے کسی بشر پر کوئی کتاب نہ اُتاری۔ تب یہ آیت اُتری۔ کہ ان بدنصیبوں نے انبیاء اور کتابوں کا انکار کر دیا۔ رب تعالیٰ کی قدر ہی نہ جانی۔ یا تو یہود اُسے

بڑی تعظیم و توقیر سے لائے تھے، یا اب اُس کی بہت بُرائی کرنے لگے۔ کہ تُو نے تو دین موسوی بھی ختم کردیا۔ وہ بولا کہ مجھے محمد نے (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) غصہ دلا دیا۔ غرضکہ اُس کو سرداری سے علیحدہ کر کے کعب ابن اشرف کو سرداری دی۔ اور اُس کو بُری طرح ذلیل کیا۔ اور کہا کہ جب رب نے کسی بشر پر کوئی کتاب اُتاری ہی نہیں، تو موسےٰ علیہ السلام پر توریت کس نے اُتاری؟ ارے کمبخت تُو نے یہ کیا کہدیا ؟

(۲) اِس سے معلوم ہُوا کہ انبیاء اور کتب سماویہ کا انکار حقیقت میں خدا کی ربوبیت کا انکار ہے۔ کہ جب مالک نے انزال کا انکار کیا۔ تو فرمایا گیا کہ اُس نے خدا کی قدر نہ کی۔ اس لئے کہ خدا رب ہے اَب یعنی باپ نہیں ہے۔ کہ باپ تو صرف جسمانی پرورش کا کفیل ہوتا ہے۔ روحانی پرورش کے لئے اولاد کو استاذ و مشائخ کے پاس بھیجتا ہے۔ بخلاف رب کے۔ کہ وہ جسمانی اور روحانی ہر طرح کی پرورش فرماتا ہے۔ جس رب نے جسمانی پرورش کا اس طرح انتظام فرمایا کہ ہر موسم اور ہر ملک کے موافق پھل وغیرہ پیدا فرمادے، دفع امراض کے لئے اطبا اور ڈاکٹر بنائے۔ کیسے ممکن تھا کہ روحانیت میں انسانوں کو پیاسا چھوڑ دیتا۔ اور روحانی امراض کے طبیب و ڈاکٹر پیدا نہ فرماتا، یہ ممکن نہیں۔ قالب کا پالنے والا مربی کہلاتا ہے اور ہر طرح کی پرورش کرنے والا رب ؎

(۳) اس سے معلوم ہُوا کہ انبیاء کی تعظیم و توقیر خدا تعالیٰ کی تعظیم ہے اور ان کی توہین خدا کی توہین۔ کہ ان کی تعظیم داخل فی الدین۔ اگر حضور کے نعلین پاک کی توہین کی، تو اسلام رخصت ہوا۔ دیکھو مالک نے آسمانی کتابوں اور پیغمبروں کا انکار کیا تھا۔ فرمایا گیا کہ میری قدر نہ کی ؎

(۴) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انبیاء کو علوم لدنیہ عطا ہوتے ہیں باوجودیکہ

حضور کسی کے شاگرد نہیں ؎

لکھے نہ پڑھے جناب والا ٭ شاگردِ رشید حق تعالےٰ

اور مالک ابن صیف بڑا متبحر عالم جماعتِ علماء کے ساتھ آتا ہے۔ مگر ایک سوال کا جواب نہیں بنتا۔ پھر وہ تیاری کر کے آیا، یہاں اچانک مناظرہ ہؤا۔ بتاؤ نبی صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فنِ مناظرہ کہاں سیکھا کہ پہلے ہی سوال میں علماء یہود ختم ہو گئے ٭

(۵) اسی لئے حضرت آدم علیہ السلام نے آنکھ کھلتے ہی عرش پر لکھا ہؤا پڑھ لیا۔ کہ لا الٰہ الّا اللہ محمّد رسول اللہ۔ رہا یہ پوچھنا کہ خدایا یہ کس کا نام ہے؟ اس کی وجہ لاعلمی نہیں۔ بلکہ یہ سوال طلب کے لئے تھا۔ چنانچہ بعد میں عرض کیا اللّٰھم ارحم ھذا الوالد بھذا الولد اے اللہ اس باپ پر ان فرزند کی طفیل رحم کر۔ اگر کسی کی چیز مانگنا ہو تو کہتے ہیں۔ آپ کے پاس یہ کیا ہے؟ بہت ہی اچھی ہے۔ مطلب ہے کہ عنایت کر دو ٭

۹۲ - ۴۸۶

مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗ اِلَّا بِاِذْنِہٖ

اِس آیت میں چند امور قابلِ غور ہیں:۔

یہ آیت کیوں اُتری؟ اِس سے مسائل کیا معلوم ہوئے۔ شفاعت ہو گی یا نہیں؟ شفاعت کون کرے گا؟ شفاعت کتنی قسم کی ہو گی؟

(۱) ساری آیۃ الکرسی از اول تا آخر کفار اور بدمذہبوں کا ردّ ہے جو لوگ خالق کے منکر تھے اُن کا ردّ ہؤا اللہ سے۔ جو چند خالق مانیں اُن کا ردّ ہؤا لا الٰہ الّا ھو سے۔ جو صفات کا انکار کریں اُن کا ردّ ہؤا الحی القیوم وغیرہ سے۔ جو کہتے ہیں کہ علماء کسی بدمذہب کا ردّ نہ کریں۔ تو کیا علماء قرآن کو چھوڑ

دیں۔ کہ قرآن میں اوّل سے آخر تک بے شمار جگہ بے دینوں کا رد ہے۔ آیۃ الکرسی تو خاص رد کفار ہی کے لئے ہے ؛

کفار اپنے بتوں کے بارے میں دو عقیدے رکھتے تھے۔ ایک یہ کہ ان میں الوہیت حلول کئے ہے۔ جیسے پھول میں خوشبو۔ اسی لئے بتوں کو الہ اور شرکاء اور خدا کو الہٰ اکبر کہتے تھے۔ دوسرے یہ کہ یہ چھوٹے خدا ہیں۔ بڑے خدا سے شفاعت کرینگے۔ اور بڑے خدا کو دباؤ سے ان کی سفارش ماننا پڑے گی۔ جیسے بادشاہ ارکان سلطنت کی سفارش مانتا ہے۔ اس لئے کہ ان کا بگڑنا سلطنت کا زوال ہے اس آیت میں دونوں عقائد کا رد بلیغ ہو گیا۔ کہ کسی کو بغیر اجازت لب کشائی کی بھی ہمّت نہیں۔ بے اذن شفاعت کیسی ؟ گویا کہا گیا کہ شفاعت ماذون لہٗ کریگا۔ اور بت ماذون لہٗ نہیں۔ اور شفاعت دباؤ کی کوئی نہیں کرسکتا کہ رب پر کسی کا دباؤ نہیں۔ لہٰذا یہ خاص سفاعت کا اور خاص لوگوں کی شفاعت کا انکار ہے نہ کہ ہر شفاعت کا ؛

(۲) جس طرح اس آیت میں خاص شفاعت کا انکار ہے۔ یوں ہی خاص شفاعت کا ثبوت بھی ہے۔ وہ شفاعت بالاذن ہے۔ لہٰذا یہ آیت انکارِ شفاعت کے لئے نہیں بلکہ اثبات شفاعت کے لئے ہے۔ اگر شفاعت درست نہ ہو۔ تو نمازِ جنازہ اور زیارتِ قبور اور مسلمان زندوں کی مُردوں کے لئے دعا سب بیکار ہوں۔ کہ یہ سب شفاعت ہی تو ہے۔ بلکہ بچہ کی نماز جنازہ میں تو صاف الفاظ ہیں اللّٰھم اجعلہُ لنا فرطاً۔ فرط کہتے ہیں راہبری کے لئے آگے چلنے والوں کو۔ اور بعد میں آتا ہے واجعلہ لنا شافعاً ومشفعاً اے اللہ تو اِسے ہمارا شفیع بنا۔ بڑوں کی ہم شفاعت کرتے ہیں۔ اور چھوٹے بچّوں کو اپنا شفیع بناتے ہیں حضرت عبداللہ ابن عباس نے اپنے فرزند کے جنازہ کے لئے چالیس ؁

نمازیوں کا انتظار کیا۔ کہ جہاں چالیس مسلمان صالح جمع ہوتے ہیں۔ وہاں کوئی ضرور ولی ہوتا ہے (مرقاۃ المفاتیح) لہٰذا اگر نماز جنازہ میں چالیس مسلمان ہوں گے تو اُن میں کوئی ولی ہوگا۔ اور ولی کی شفاعت رب کی بارگاہ میں قبول ہوگی ۔

(۳) شفاعت کریں گے انبیاء، اولیاء، علماء، مشائخ، حجرِ اسود، اور قرآن و خانہ کعبہ و رمضان اور چھوٹے بچے۔ حدیث پاک میں وارد ہُوا کہ رمضان تو کہے گا خدایا مَیں نے فلاں بندے کو بھوکا اور پیاسا رکھا۔ آج میری شفاعت اُس کے لئے قبول فرما۔ اور قرآن فرمائے گا کہ خدایا مَیں نے اسے رات کو آرام سے باز رکھا، میری شفاعت قبول کر۔ چنانچہ ان کی شفاعت قبول ہوگی۔ مولوی عبدالحی صاحب نے مقدمہ ہدایہ میں بروایت حاکم لکھا۔ کہ جب فاروق اعظم نے سنگِ اسود سے کہا۔ کہ تو محض ایک پتھر ہے نہ کسی کو نقصان دے نہ نفع۔ اگر مَیں نے حضور علیہ السلام کو تجھے چُومتے نہ دیکھا ہوتا۔ تو مَیں ہرگز نہ چُومتا۔ تو مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ قیامت میں اس کی آنکھ اور مُنہ ہوگا۔ اور حاجیوں کی شفاعت کرے گا۔ اور میثاق کے دن عہد جو رُوحوں سے لیا گیا ہے مع تمام گواہیوں کے اسی میں محفوظ ہے۔ یہ اللہ کا امین ہے اور مسلمانوں کا گواہ۔ اسی طرح سرکار ابد قرار صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس بی بی کے تین چھوٹے بچے مرجادیں، وہ اُس کے شفیع ہیں۔ اگر دو مریں تو دو شفیع ایک مرے تو ایک، اور کوئی نہ مرے تو مَیں اُس کا شفیع ہوں۔ معلوم ہُوا کہ چھوٹے بچے بھی ماں باپ کے شفیع ہیں ۔

نکتہ جب یہ سب چیزیں شفیع ہیں، تو حضور کو شفیع المذنبین کیوں کہتے ہیں؟ جواب یہ ہے کہ یومِ قیامت کے دو حالات ہیں۔ اوّل وقت عدل کا، دوسرا وقت فضل کا۔ دوسرے وقت میں سب شفاعت کریں گے مگر اوّل

وقت میں کوئی شفاعت تو کیا لب کشائی کی بھی ہمت نہ کرے گا۔ از آدم تا حضرت عیسٰے علیہم السلام کہیں گے نفسی نفسی اذھبوا الیٰ غیری ؎

خلیل و نجی مسیح و صفی سبھی سے کہی کہیں نہ بنی
یہ بے خبری کہ خلق پھری کہاں سے کہاں تمہارے لئے

دنیا میں تو سب کو معلوم ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام شفیعِ عاصیاں ہیں۔ مگر وہاں پہنچکر امام بخاری و مسلم تو کیا حضراتِ انبیاء کو بھی یاد نہ رہا۔ کہ آج شفیع کون ہے۔ ہاں حضرت عیسٰے علیہ السلام نے فرمایا کہ میں ہی وہ صبح کا تارا ہوں جس نے دنیا میں بھی اُن کی آمد کی خبر دی۔ اور آج بھی کہتا ہوں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام شفیع المذنبین ہیں۔ یہ اس لئے تھا کہ شاید کوئی کہتا کہ اس شفاعت میں حضور کی کیا خصوصیت ہے۔ ایسی شفاعت تو کسی کے پاس پہنچ جاتے ہو جاتی۔ دکھا دیا کہ آج تمہارا کوئی نہیں سوائے محبوب رب العالمین کے۔ ہر جگہ بھیک مانگ کر دیکھ لو، دروازۂ مصطفےٰ کے سوا کہیں تمہاری جھولی نہیں بھر سکتی ؕ

(۴) شفاعت تین قسم کی ہو گی، بلندئی درجات کے لئے اور گناہ معاف کرانے کے لئے اور مقامِ محشر سے نجات دلانے کے لئے۔ تیسری شفاعت کا تو کافر بھی فائدہ اٹھائیں گے۔ مگر دوسری شفاعت صرف مومنین کے لئے ہے۔ اور پہلی شفاعت سے تارکِ سُنّت محروم رہے گا۔ کما فی الشامی ؕ

جب جہنم سے وہ لوگ بھی نکال لئے گئے، جن کے قلب میں رائی بھر ایمان ہے، تو رب تعالیٰ فرمائے گا اب ہماری باری ہے، اپنا قدرتی لپ بھر کر جہنمی لوگوں کو جنت میں داخل فرمائے گا۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو عند اللہ مومن اور عند الشرع غیر مومن تھے۔ یعنی جن کے دل میں اقرار آگیا، مگر زبان سے اقرار کا موقعہ نہ پایا، یا جن کو تبلیغ نبوت نہ ہوئی، عقل سے موحد ہوئے، نہ تو کافر ہوں گے نہ مومن شرعی

روح البیان یہ ہی مقام ؛

(۵) کافر کے لیے دعائے مغفرت کرنا حرام ہے۔ کہ یہ شفاعت ہے۔ اسی لئے بالغ کے جنازے پر پڑھا جاتا ہے اَللّٰھُمَّ اغفِر لِحَیِّنَا وَ مَیِّتِنَا کہ اگر یہ میّت مسلمان ہے تو دعا میں شامل ہو، اور اگر خاتمہ بالشر ہُوا ہے تو دعا سے خارج رہے۔ بخلاف چھوٹی میّت کے۔ کہ وہ تولامحالہ مومن ہے۔ اسی طرح قبرستان میں ہے دار قوم من المسلمین ؛

(۶) اولیاء اللہ اور مشائخ کی ضرورت ثابت ہوئی۔ کہ یہ تمام حضرات جال کے پھندے ہیں۔ اگر ایک پھندا بھی کھُل گیا۔ تو باقی پھندے بھی آہستہ آہستہ کھُل جاویں گے۔ زمانہ رسالت سے لوگ قرآن، حدیث، اولیاء اللہ کی بیعت کے معتقد تھے۔ کہ صحابہ نے حضور علیہ السلام کی اور تابعین نے اصحابہ کرام کی بیعت کی۔ الیٰ زماننا ھٰذا۔ مگر اب چودھویں صدی کے مسلمان جو بقول خود صحابہ سے بھی افضل ہیں۔ اولاً تو علماء سے بیزار ہوئے، پھر مشائخ سے پھرے، پھر فقہ سے ہٹے، پھر حدیث سے مستغنی ہو گئے۔ اگر یہ ہی لیل و نہار ہیں تو آئندہ قرآن بھی نداد ہے۔ محبوبانِ خدا کی مخالفت کا انجام ایمان کی بربادی ہے ؛

(۷) آیۃ الکرسی میں اَللّٰہُ سے لے کر عَظِیۡمُ تک گیارہ صفاتِ الٰہیہ ذکر فرمائے گئے۔ بعض صوفیاء فرماتے ہیں کہ مَنۡ ذَا الَّذِیۡ سے بِمَا شَآءَ تک حضور کے تین صفات بیان ہوئے۔ اور اول کے پانچ اور آخر کے تین خدا کے صفات ہیں۔ جیسا کہ کلمہ میں اوّل و آخر خدا کا نام ہے۔ اور درمیان میں مصطفےٰ علیہ السلام کا ؎

معجزہ شق القمر کا ہے مدینہ سے عیاں
مہ نے شق ہو کر لیا ہے دین کو آغوش میں

مَنْ ذَا الَّذِيْ سے معلوم ہؤا۔ کہ شفاعت کبریٰ سوائے بندۂ خاص باذون لہ کے کوئی بھی نہ کرے گا۔ اُس بندۂ خاص کی صفت یہ ہے۔ کہ وہ تو لوگوں کے دنیاوی اور اخروی حالات جانتا ہے۔ مگر لوگ جس قدر وہ محبوب چاہیں، اُتنے ہی اُس کے علم کا احاطہ کر سکتے ہیں (روح البیان یہ ہی مقام) معلوم ہؤا کہ عطائے مصطفٰے سب کو برابر ہے۔ علیہ السلام۔ لینے والوں کا اپنا اپنا ظرف ہے۔ جیسے دریا سے کوئی مشک بھرتا ہے، کوئی گھڑا، کوئی لوٹا، کوئی چلّو اور کوئی پیاسا۔ ویسے ہی یہاں کوئی صدیق بنا، کوئی فاروق، کوئی بدنصیب ابوجہل ؎

کوئی ذات بس کے مہک رہی، کسی دل میں اُس سے کھٹک رہی
نہیں اُن کے جلوے میں یک رہی کہیں پھول ہے کہیں خار ہے

یا جیسے سورج کہ نور یکساں پھینکتا ہے، مگر منوّر ہونے والے مختلف طور سے منوّر ہوتے ہیں۔ جلوہ ایک ہے، مگر صدیقی اور بوجہلی آنکھیں علیٰحدہ علیٰحدہ ؎

مصطفٰے را دید بوجہل و بگفت ✦ زشت نقشے کز بنی ہاشم شگفت
دید صدیقش بگفت اے آفتاب ✦ نے ز شرقی نے زغربی خوش بتاب

شفیع کے لئے مشفوع لہ کا جاننا ضروری ہے۔ تاکہ نااہل کی شفاعت نہ ہو۔ اور اہلِ شفاعت سے محروم نہ رہے۔ جیسے طبیب کو مریضِ لاعلاج اور قابلِ علاج کی معرفت ضروری ہے۔ اسی لئے صحابہ کرام کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دو کتابیں دکھائیں جس میں جنتی اور دوزخیوں کے نام مع ٹوٹل کے درج تھے۔ اور ایک شخص کو جو جہاد میں بہت مشقت کر رہا تھا، فرمایا۔ یہ جہنمی ہے۔ آخر کار اُس نے خودکشی کی۔ جس سے معلوم ہؤا۔ کہ حضور علیہ السلام کو سعادت و شقاوت کا علم ہے کہ اس کے بغیر شفاعت ناممکن ہے۔ نادانوں کا یہ قول کہ حضور کو قیامت میں صحابہ کرام اور مرتدین کی بھی پہچان نہ ہو گی۔ کیونکہ روایت میں ہے کہ بعض لوگ

حوض کوثر پر آتے ہوئے روکے جائیں گے۔ ہم فرمائیں گے اصحابی۔ ملائکہ عرض کرینگے لاتدری ما احدثوا بعدك۔ یہ استدلال غلط ہے۔ کیونکہ آج تو حضور کو خبر ہے، اور دوسروں کو بھی خبر دے رہے ہیں، اور کل بھول جائیں ناممکن ہے۔ یہ محض اُن کو شرمندہ کرنے کے لئے ہوگا۔ اور زجراً فرمایا جائے گا۔ کافروں سے کہا جاوے گا ذق انك انت العزیز الکریم۔ دیکھو رب کافر کو عزیز اور کریم فرمائے گا۔ کیا رب کو علم نہیں"

۹۲-۴۸۶

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ ط

یہ آیت کریمہ عذاب قبر کے بارے میں نازل ہوئی۔ اسی کا اس میں ذکر ہے۔ اس جگہ چند امور قابل غور ہیں۔ عذاب قبر کس کو ہوتا ہے۔ اس کی حقیقت کیا ہے، حساب قبر کس طرح ہوتا ہے، اور اس سے کیا فوائد حاصل ہوئے ؟

(۱) سوالات قبر اور شئے ہیں اور عذاب قبر کچھ اور۔ نہ تو سوال سب سے ہو، اور نہ عذاب سب کو۔ سوال قبر آٹھ شخصوں سے نہیں ہوتا۔ انبیاء سے، شہداء سے، تیاری جہاد کرنے والوں سے، بچوں سے، جو جمعہ یا شب جمعہ کو مرے، اور ہمیشہ موت کو یاد کرنے والوں سے، اور روزانہ سورۂ ملک پڑھنے والوں سے، جیساکہ شامی کتاب الدفن میں ہے۔ نیز عذاب قبر بھی ایک نوعیت کا نہیں مشرکین اور کفار جو سوالات میں ناکام رہے ہوں اُن کا اور نوعیت کا عذاب ہے اور بعض گناہگار مسلمان، جیسے پیشاب سے احتیاط نہ کرنے والا، چغل خور وغیرہ کو اور طرح کا عذاب، کبھی متقی مسلمان کو بھی تنگی قبر اور وحشت قبر ہو جاتی ہے۔ اگرچہ یہ عذاب نہیں۔ حدیث پاک میں ہے۔ کہ ایک بار حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

دو قبروں پر گذرے ۔ دراز گوش پر سوار تھے ۔ خچر دو پاؤں پر کھڑا ہو گیا ۔ فرمایا کہ اِن دونوں قبر والوں پر عذاب ہو رہا ہے ۔ خچر وہ عذاب دیکھ کر ڈر گیا ۔ اُن میں سے ایک تو چغلی کرتا تھا ، دوسرا پیشاب سے احتیاط نہ کرتا تھا ۔ پھر خرمے کی ایک شاخ کے دو حصّے فرماکر قبر پہ گاڑ دیئے کہ جب تک یہ تر رہیں گے ، اِن کی برکت سے عذاب میں تخفیف ہو گی ۔ اس لئے کہ تر چیز تسبیح کرتی ہے ۔ تسبیح کی برکت سے تخفیف ہوتی ہے ۔ اسی لئے مزارات پر تر پھول وغیرہ ڈالتے ہیں کہ تسبیح سے تو میّت کو فائدہ ہو ، اور خوشبو سے میّت کو بھی راحت ہو ، اور زائرین کو بھی ۔ اسی لئے میّت کے جسم اور کفن وغیرہ پر خوشبو لگانے کا حکم ہے ۔ حتّٰی کہ تختۂ غسل کو بھی دھونی کا حکم ہے ۔ معلوم ہوا ۔ کہ بعد موت حواس قائم رہتے ہیں ، اور میت خوشبو اور بدبو محسوس کرتا ہے ۔ یہ سمجھنا کہ صرف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دستِ پاک کی یہ برکت تھی کہ عذاب میں تخفیف ہوئی ۔ ٹھیک نہیں ، ورنہ حدیث میں تر رہنے کی قید نہ آتی ۔ یہ قبریں مسلمانوں کی تھیں ، ورنہ عذاب میں تخفیف کیسی ؟ کافر کی قبر پہ اگر پورا قرآن بھی پڑھ دیا جاوے تب بھی اُسے فائدہ نہیں ۔ تنگی قبر تو صالحین کو بھی ہوتی ہے ۔ کہ قبر اُن کو پیار و محبت سے دباتی ہے ۔ مگر میت کو وحشت ہوتی ہے ۔ جیسے کہ بچہ کو ماں گود میں دبائے ، جس سے بچہ گھبرائے ۔ یا بلا تشبیہ بلّی اپنے بچے کو منہ میں دباتی ہے ۔ اور چوہے کو بھی ۔ حضرت سعد ابن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کی موت پر عرش الٰہی ہِل گیا ۔ اُن کو بھی ضغطۂ قبر ہوا ۔ معلوم ہوا کہ وحشتِ قبر تین طرح کی ہوئی ۔ کفار کو ، فسّاق کو ، صالحین کو ؛

(۲) عذاب قبر میں جو لفظِ قبر ہے اُس سے مراد گڑھا نہیں بلکہ عالمِ برزخ مراد ہے ۔ یعنی دنیاوی حیات اور قیامت کے درمیان کی حالت ، خواہ میّت قبر میں دفن ہو ، یا جل جاوے ، یا شیر کھا جاوے ۔ مگر اُس کے بدن کے اجزاء

اصیہ سے روح کو تعلق دے کر جانور کے پیٹ میں یا میدان میں یا کہ تابوت میں غرضکہ جس جگہ ہو سوال و عذاب ہوگا۔ یہ کوئی مشکل نہیں ہے۔ ماں کے شکم میں فرشتہ پہنچکر رب سے پوچھ کر تقدیر لکھ آتا ہے۔ مگر ماں کو خبر نہیں ہوتی، آپ کے برابر کوئی سورہا ہے خواب میں راحت یا غم دیکھ رہا ہے۔ مگر آپ کو خبر نہیں۔ اسی طرح جانور کو خبر نہیں اور اُس کے پیٹ میں سب ہوگیا (اشعۃ اللمعات و حاشیہ شرح عقائد)؛

لطیفہ سید احمد خاں علیگڈھی کے پاس کوئی طالب علم گیا۔ اُس نے پوچھا کہ تم نے کُتّا کیوں پالا ہے؟ علیگڈھی نے جواب دیا۔ کہ اُس سے فرشتے نہیں آتے۔ تو ملک الموت بھی نہیں آویں گے۔ اور مَیں نہ مرونگا۔ اُس نے کہا کہ کُتّے کی روح کو جو قبض کرے گا، وہ تیری روح بھی قبض کرے گا۔ سید احمد خاں خاموش ہو گئے۔ کُتّے سے رحمت کے فرشتے نہیں آتے، عذاب کے آتے ہیں؛

(۳) جسابِ قبر کی صورت یہ ہے کہ بعد دفن میّت لوگوں کے پاؤں کی آہٹ سُنتا ہے۔ جس سے معلوم ہُوا۔ کہ بعد موت تمام حواس ترقی کر جاتے ہیں۔ دیکھو صدہا من مٹی میں دبنے کے باوجود میّت آہٹ سُنتی ہے۔ اور زائرین کو بھی پہچان کر طالبِ دعا ہوتی ہے۔ تو جو حضرات زندگی میں دنیا کی خبر رکھتے ہوں، اُن کے قوی کا بعدِ موت کیا پوچھنا۔ پھر دو فرشتے (منکر و نکیر بمعنی خوفناک اور اجنبی۔ قال سلام قوم منکرون) جن کے چہرے سیاہ، آنکھیں نیلی ہوتی ہیں آکر تین سوال کرتے ہیں۔ تیرا دین کیا ہے؟ تیرا رب کون؟ تُو ان صاحب کے بارے میں کیا کہتا تھا؟ اگر مومن ہے اور جواب ٹھیک دیتا ہے۔ تو کہتے ہیں۔ ہم تو جانتے تھے کہ تُو یہ کہے گا۔ اگر کافر یا منافق ہے اور جواب نہ دے سکا، تو بھی یہ ہی کہتے ہیں۔ یہ ایسا سخت امتحان ہے کہ اس کے پرچے اور سوالات دنیا ہی میں سب کو بتا دیئے گئے۔ ورنہ ممتحن سوالات کو چھپایا کرتے ہیں۔ رب تعالیٰ بیڑا پار لگائے؛

(۴) اِس سے چند فوائد حاصل ہوئے۔ اوّلاً یہ کہ دین کے سوال میں سوالِ رسالت بھی آگیا تھا۔ کہ دین تمام امورِ دینیہ کو کہتے ہیں۔ لیکن پھر بھی یہ سوال صراحتہً کیا گیا۔ ضمناً پر کفایت نہ کی گئی۔ اہتمام کے لئے۔ نیز آخری سوال جس پر کامیابی کا مدار ہے حضور کی پہچان ہے۔ دوم اگرچہ اُس ذاتِ کریم کو کبھی آنکھ سے دیکھا نہیں۔ مگر ایمانی تعلق سے پہچان ہوگی۔ جیسے نہ دیکھے ہوئے قرابت دار کی طرف جو کسی اجنبی جگہ مل جاوے، خون کے تعلق سے دل کھینچتا ہے۔ یا پردیس میں بیٹا بیمار ہو تو وطن میں ماں کو اثر ہوتا ہے۔ ایسے ہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف مومن کا دل کھچے گا ایمانی رشتہ کی وجہ سے۔ سوم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حاضر و ناظر ہونے کا مسئلہ بھی حل ہوگیا۔ کہ ھٰذا چاہتا ہے موجودگی مشار الیہ کو، سامنے موجود کو ھٰذا یعنی یہ کہا جاتا ہے، نہ کہ غائب کو۔ اور ایک ہی وقت میں ہزاروں جگہ لوگ دفن ہوتے ہیں۔ اور سب سے یہ ہی سوال ہوتا ہے۔ معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہر جگہ موجود ہیں۔ جیسے آفتاب کہ دن کے وقت ہر جگہ سے اُس کی طرف اشارے ہوتے ہیں۔ البتہ آنکھوں پر پردے ہیں۔ اسی پردے کو اٹھا دیا جاتا ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ دیکھ وہ کون ہیں؟ ورنہ وہ گئے کہاں تھے وہ محبوب جان سے زیادہ قریب ہیں۔ اس کو شرک سمجھنا گمراہی ہے۔ ہر جگہ میں ہونے سے خدا پاک ہے، اُس کی نہ جگہ ہے نہ وقت۔ ہر جگہ تو مصطفٰے ہی ہو سکتے ہیں علیہ السلام ؎

وہ ہی لامکاں کے مکیں ہوئے، سرِ عرش تخت نشیں ہوئے
وہ نبی ہیں جن کے ہیں یہ مکاں، وہ خدا ہے جس کا مکاں نہیں

ھٰذا الرجل سے روضۂ انور یا شبیہ پاک یا حضور، ذہنی مراد لینا خلافِ ظاہر ہے۔ حدیث کو ظاہر سے بلا وجہ نہیں پھر سکتے۔ نیز اگر تصویر یا روضہ مبارک کی طرف اشارہ ہو، تو وہ تصویر یا روضہ ہر جگہ حاضر ہوا، تصویر کو حاضر ماننا اور تصویر والے

کو نہ ماننا نادانی ہے۔ چہارم یہ کہ فرشتے کہتے ہیں ہم جانتے تھے کہ تو یہ جواب دے گا۔ جس سے معلوم ہؤا کہ سوال وجواب نہ تو خدائے قدوس کے علم حاصل کرنے کے لئے ہیں۔ وہ تو علیم وخبیر ہے۔ اور نہ ملائکہ کے علم کے لئے انہیں بھی پہلے سے علم ہے بلکہ خود اُس میّت کی زبان بندی کے لئے تاکہ معلوم ہو کہ یہ عذاب میری ناکامی کی وجہ سے ہو رہا ہے۔ ہر امتحان ممتحن کے علم کے لئے ہی نہیں ہوتا، کبھی خود مجیب کو بتانے یا حاضرین پر مجیب کی حالت ظاہر کرنے کے لئے بھی ہوتا ہے۔ اور ہر سوال سائل کی لاعلمی کی دلیل نہیں، خدائے قدوس بھی گشت لگانے والے فرشتوں سے پوچھتا ہے تم کہاں تھے؟ حضرت موسےٰ علیہ السلام سے پوچھا وماتلك بیمینك یاموسیٰ؟ کیا رب کو علم نہ تھا کہ موسےٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں لاٹھی ہے۔ پنجم سعادت وشقاوت، حسن خاتمہ اور سوئے خاتمہ علوم خمسہ میں سے ہے۔ جس کا علم نکیرین کو ہے۔ نیز کاتب تقدیر جو ماں کے پیٹ میں بچّہ کے تمام شدنی امور لکھ گیا۔ اُس کو اِن تمام باتوں کا علم ہے۔ گذشتگان کا بھی اور موجودین کا بھی۔ نیز جب کوئی عورت اپنے مسلمان شوہر سے لڑتی ہے، تو جنّت سے حُور پکارتی ہے کہ یہ تیرے پاس مہمان ہے، ہمارے پاس آنے والا ہے، اس کو پریشان نہ کر، جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ حور کو بھی علم ہے۔ کہ اس کا خاتمہ بالخیر ہوگا۔ نیز گھر کی لڑائی جنّت سے حور نے دیکھ لی۔ اگر حضور کو بھی ان باتوں کا علم ہو تو کیا مضائقہ ہے۔ حضرت صدیق نے اُمّ المومنین صدیقہ کو خبر دی۔ کہ تمہاری والدہ حاملہ ہیں، لڑکی پیدا ہوگی میری میراث تقسیم کر لینا (دیکھو موطا امام مالک) ستاروں کا یہ علم ہے، تو آفتاب کا کیا پوچھنا۔ ششم اِس سے معلوم ہؤا کہ قبر پہ اذان دینا بہتر ہے۔ اذان سے دل بے قرار کو قرار آتا ہے۔ شیطان اس سے بھاگتا ہے، وحشت دُور ہوتی ہے۔ اور تلقینِ میّت بھی ہے۔ جس کی اس کو ضرورت ہے۔ کہ اس وقت تنہائی قبر کی وحشت

بھی ہے، اور شیاطین کی موجودگی بھی سوالات کی سختی، دل کی گھبراہٹ، مُردے کی تنہائی، ہزارہا مصیبتیں ہیں۔ اذان سے شیطان بھاگے گا۔ دل کو تسکین ہوگی۔ اور میّت کو سوالات کے جواب یاد آجاویں گے۔ کیونکہ کلمات اذان تلقین ہیں۔ کہ رب اللہ ہے، دین وہ جس میں نماز فرض ہے۔ نبی میرے محمد رسول اللہ ہیں۔ مردوں کی ہر طرح مدد کرو۔ کل کو تمہیں بھی یہ واقعات پیش آنا ہیں۔ اسی طرح کفنی لکھنا بھی بہتر ہے۔ دونوں مسائل شامی جلد اوّل کتاب الدفن میں دیکھو۔ اس پر یہ شبہ کہ میّت کے پیپ وخون میں بے ادبی ہوگی محض بے جا ہے۔ زمزم پیتے ہیں حالانکہ پینے کے بعد پیشاب بنتا ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ناخن تراشیدہ اور بال مبارک اپنے کفن میں رکھوائے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی صاحبزادی زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے کفن میں اپنا تہبند شریف رکھوایا۔ اور غسل دینے والیوں کو فرمایا اشعرنھا یعنی اس کو جسم سے ملا ہوا رکھو۔ جس سے معلوم ہوا۔ کہ قبر میں تبرّکاتِ بزرگاں بھی برکت کے لئے رکھوانا درست ہے۔ نہ معلوم میّت چھوئے پھٹے یا نہ چھوئے۔ بے ادبی موہوم سے نفع یقینی کیوں چھوڑا جاوے۔ یہ امر قابلِ غور ہے۔ خیال رہے کہ اذان قبر، کفنی، قبر پہ قرآن کی تلاوت وغیرہ مسلمان میّت کو مفید ہے نہ کافر کو۔ نیز یہ سمجھنا بھی غلط ہے کہ اذان صرف نماز ہی کے لئے ہوتی ہے۔ بہت جگہ نماز ہوتی ہے۔ اذان نہیں ہوتی۔ جیسے نمازِ عید، نمازِ استسقاء اور نمازِ جنازہ وکسوف۔ اور بہت جگہ اذان ہوتی ہے نماز نہیں ہوتی۔ جیسے بچہ کے کان میں اذان یا طاعون، آگ لگنا، مغموم کے کان میں اذان بغیر نماز ہوتی ہے ۔

یوں تو سارا قرآن نعتِ مصطفےٰ ہے۔ توحید وہ ہی معتبر جو حضور بتاویں۔ اسی لئے کہا گیا قل ھو اللہ احد۔ متشابہات کو میانِ محبوب وحبیب راز قرار دیا گیا۔ دوسرا اس میں غور نہ کرے۔ نیز احکامِ شرعیہ محبوب کی اداؤں کا نام ہے۔ اسی لئے قرآن میں افعال کے احکام تو ہیں مگر تفصیل نہیں۔ یعنی تم وہ ادائیں کر لینا جو محبوب کرتے ہیں، نجات پاجاؤ گے۔ نماز وروزہ وحج وزکوٰۃ کے افعال کسی شرط کے بغیر کر لو، ان کو عبادت نہ کہا جاوے گا۔ کیونکہ اس میں محبوب کی مشابہت پوری نہ ہوئی۔ قصص اور امثال بھی اظہارِ عظمتِ مصطفےٰ علیہ السلام کے لئے ہیں یعنی ان حضرات کے یا اُمتوں کے احوال دیکھو، اور محبوب اور اُن کی اُمّت کا حال دیکھو۔ زمین وآسمان کا فرق پاؤ گے۔ کیونکہ یہ عظمت والے ہیں۔ غرض عقائد، مثالیں، قصّے، احکام سب میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نعت ہے۔ مگر اِس آیت کریمہ میں صراحۃً نعتِ مصطفےٰ اور رفعتِ شانِ مصطفےٰ علیہ السلام مذکور ہے یہاں چند امور قابلِ غور ہیں:۔ رفعت کے کیا معنے ہیں؟ رفعت کو اپنی طرف کیوں نسبت کیا؟ لکَ کیوں فرمایا؟ صرف رفعنا ذکرکَ کیوں نہ فرمایا؟ آپ کے ذکر سے کیا مراد ہے؟ رفعت میں بہت وسعت ہے۔ یہاں بڑوں کا ذکر تو زمین پر ہے، مگر اُس رفعت والے محبوب کا نام زمین پر بھی ہے، اور عرش پہ بھی، جنّت میں بھی اور رب تعالیٰ کے یہاں بھی ؎

فرش والے تری شوکت کا علو کیا جانیں
خسروا عرش پہ اُڑتا ہے پھریرا تیرا

ہاتھ پاؤں سے آنکھ زیادہ کام کرتی ہے۔ آنکھ سے زیادہ کان کام کرتا ہے کہ آگے پیچھے ہر طرف سے سُنتا ہے۔ اور کان سے زیادہ خیال کام کرے۔ اور خاص کر خیالِ شاعر، کہ زمین وآسمان ملادے۔ مگر جہاں خیالِ شاعر بھی تھک جاوے وہ

محامدِ مصطفےٰ ہیں علیہ السلام۔ کہ اُن کی رفعت تک خیال کی بھی پہنچ نہیں جہاں خیالِ شاعر تھکے وہ حضور کی بلندی ہے۔ حضرت حسان فرماتے ہیں ؎

ما ان مدحت محمداً بمقالتی ٭ لکن مدحت مقالتی بمحمد

نیز جہاں خدا کا نام ہے وہاں نامِ مصطفےٰ بھی ہے۔ کلمہ، نماز، اذان، خطبہ جو اُن کے خیال سے نماز کو فاسد کہے وہ خود فاسد ہے، کہ اُن کو نماز میں سلام عرض کرنا واجب ہے، خیال کس طرح مفسد ہوگا۔ نیز قرآن کریم میں تمام انبیاء کو نام سے خطاب مگر یہاں اوصافِ حمیدہ سے، بڑے بڑے نامور زمین میں دفن ہوئے، نام بھی مٹ گیا، مگر نہ دبا ہے تو ذکرِ مصطفےٰ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم ؎

مٹ گئے مٹتے ہیں مٹ جائیں گے اعدا تیرے
نہ مٹا ہے نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرا

(۷) رفعت کو اپنی طرف نسبت فرمایا، تاکہ معلوم ہو کہ ان کو رفعت کسی سے نہیں ملی۔ ہم نے عطا فرمائی۔ سب کو رفعت ملتی ہے ان کی بدولت۔ اسی لئے آپ کی ولادت ہفتہ میں، نہ تو جمعہ کے دن ہوئی، نہ شنبہ کو، نہ یکشنبہ کو، کہ جمعہ اسلام کا معظم دن ہے۔ اور شنبہ یہودیوں کا، یکشنبہ عیسائیوں کا۔ کوئی نہ کہہ سکے کہ دن سے ان کو عظمت ملی، بلکہ دن کو اُن سے عظمت ملی۔ نیز ولادت پاک بیت المقدس میں نہ ہوئی کہ وہ قوموں کا قبلہ ہے، نہ کسی سرسبز و شاداب قابلِ تفریح جگہ میں کہ کوئی تفریح کے لئے آکر زیارت و حج بھی کرے خشک مقام میں۔ اور پھر جب وہاں داخل ہو، تو لباس بھی اُتار کر احرام باندھو، تفریح کرنا ہو تو پیرس و لندن جاؤ۔ مکہ مکرمہ میں آپ کو نہ رکھا کہ کوئی روضہ کی زیارت کعبۂ معظمہ کی وجہ سے کرے، نہیں بلکہ حج کرو اور جگہ اور زیارت مصطفےٰ علیہ السلام کے لئے علیحدہ سفر کرو۔ تاکہ ورفعنا کا ثبوت ہو، کعبہ کی طرف بھی اسی لئے

نماز ہوتی ہے۔ کہ اُنہوں نے اس کعبہ کو قبلہ بنا دیا۔ قد نریٰ تقلب وجھك فی السماء فلنولینك قبلة ترضٰھا۔ ترضٰی کی صفت سے معلوم ہوا کہ کعبہ کا قبلہ ہونا رضائے محبوب کے لئے ہے۔ یہ مصلحت تھی تحویل قبلہ میں۔ کہ اگر اوّل سے ہی کعبہ قبلہ ہوتا۔ تو یہ بات حاصل نہ ہوتی، جو اب معلوم ہوئی ؎

کعبہ بھی ہے اُن ہی کی تجلّی کا ایک ظل
روشن اُنھی کے نور سے پتلی حجر کی ہے

اِسی لئے بعض علماء کے نزدیک اگر کوئی بحالتِ نماز حضور کے بلانے پر خدمت میں چلا جاوے، تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ دیکھو مرقاۃ باب فضائل القرآن اور تفسیر آیت استجیبوا للّٰہ وللرسولہ اذا دعاکم۔ اس کی نفیس تحقیق ہماری کتاب شانِ حبیب الرحمٰن میں دیکھو ؛

اِس لئے کہ اگر نمازی نے کلام کیا، تو اُن سے جن کو سلام کرنا نماز میں واجب ہے۔ اگر قبلہ اجسام سے پھرا، تو کدھر، قبلۂ ارواح کی طرف، اُنہیں کے حکم سے ادھر منہ کیا تھا، اُنہیں کے حکم سے ادھر، اگر چلا، تو کدھر، جن کے حکم سے کھڑا ہوا تھا ؛

نکتہ حضرت موسٰے علیہ السلام نے عرض کیا تھا ربّ ارنی جواب میں فرمایا لن ترانی تم نہ دیکھ سکو گے۔ یہ نہ فرمایا کہ تم کو نہ دکھائیں گے۔ اس رویتہ سے یہاں منع فرمایا، حالانکہ اہلِ جنّت کو دیدار عام ہوگا۔ کیونکہ ابھی تک اس رویتہ کا فتح باب دست پاک مصطفٰے علیہ السلام سے نہ ہوا تھا، وہ معراج میں دیدار کر لیں، پھر اور کر سکتا ہے۔ اسی لئے جنت میں پہلے حضور جاویں گے بعد میں دوسرے ؛

(۳) لك اس لئے فرمایا، کہ لام ملکیت کے لئے آتا ہے المال لزید اور

رفعت کے آپ مالک کر دیئے گئے، کہ جس کو عزت ملی اُن کی نسبت سے، اولیاء مشائخ، علماء، جو کچھ ان کی عزت ہوتی ہے ان ہی کے نعت گو اور خدام ہونے کی وجہ سے۔ والدین کریمین، اہلِ قرابت، اہلِ ملک، زمینِ حجاز سب کو ان ہی سے عظمت ملی۔ اب بھی جو جہاز حاجیوں کو لے کر جدہ جاتا ہے۔ اس کی رفعت دیکھنا ہو تو بمبئی اور کراچی میں اس کا نظارہ کرو۔ کہ لندن و پیرس جانے والے جہاز بے قدرے، مگر دیارِ حبیب کا جہاز پیارا، وہاں ہجوم عاشقاں، وہاں نعت کے نغمے سب کچھ ہوتا ہے۔

ایک فقیر دربار خواجہ اجمیری میں پانچ روپے خواجہ سے مانگ رہا تھا کوئی بے دین وہابی بولا۔ کہ خواجہ کیا دیں گے۔ لے مَیں تجھے دوں۔ فقیر نے روپے تو لے لئے۔ اور بولا کہ خواجہ تیرے قربان! کہ دلوائے بھی تو کیسے خبیث سے، غرضکہ وہابیہ نے بہت کوشش کی کہ اہل اللہ کی رفعت کم ہو۔ مگر ہو کیسے۔ کہ وہ رفعت والے سے نسبت رکھتے ہیں ؎

عقل ہوتی تو خدا سے نہ لڑائی لیتے ؛ یہ گھٹائیں اُسے منظور بڑھانا تیرا

صحابہ کرام میں سے بعض کے وہ نام جو والدین نے رکھے تھے غیر معروف ہو گئے، اور جو سرکاری عطیہ ہُوا وہ مشہور۔ ابو ہریرہ سرکاری نام ہے، نہ معلوم کہ پیدائشی نام کیا تھا۔ نیز کفار کو جس خطاب سے مخاطب کر دیا، اُسی میں وہ مشہور ہُوا، اصلی نام گُم ہو کر رہ گئے۔ ابو جہل، ابو لہب وغیرہ حضور کے رکھے ہوئے نام ہیں۔ اُن ہی انبیاء کے نام آج تک دنیا میں بلند ہیں جن کو حضور نے روشن کر دیا۔ اسی لئے حضرت مسیح علیہ السلام نے خوش ہو کر فرمایا تھا کہ میرے بعد نبی معظم تشریف لادیں گے، کیونکہ اُنہیں علم تھا کہ اُن کی برکت سے میری والدہ ماجدہ کی عصمت کے خطبے قیامت تک پڑھے جاویں گے اور میرا بھی ہر جگہ چرچا ہو گا

اسم مبارک ہؤا محمد یعنی تعریف کیا ہؤا، تاکہ کفار و مشرکین بھی محمد ہی کہیں اور لامحالہ ان کی تعریف کرنی پڑے۔ کفار قریش نے آپ کو مذمّم کے نام سے موسوم کرکے شان میں بکواس کی، فرمایا کہ یہ تو مذمم کو بُرا کہتے ہیں، اور ہم محمّد ہیں۔ والدہ ماجدہ کا نام ہؤا آمنہ یعنی دنیا کو امن دینے والی، یا امانت خدا کی امینہ۔ جو سیپ موتی رکھے وہ قیمتی ہو، تو جو پیٹ اُس درِ یتیم کو امانت رکھے وہ کیسا معظم ہوگا۔ انسانی مصنوعات کا مقابلہ ہو سکتا ہے مگر خدائی مصنوع کا مقابلہ نہیں ہو سکتا۔ بجلی دگیس کا مقابلہ ممکن، مگر آفتاب کا ناممکن۔ دنیوی رفعت والے کا مقابلہ ممکن مگر قدرتی رفعت والے کا پانا محال۔ اس سے معلوم ہؤا۔ کہ ہم لاکھ عبادت کریں۔ مگر اُن کے ایک سجدے کے برابر نہیں، کہ وہ محبوبیت کہاں سے آوے ؟

رفعنا ماضی مطلق سے معلوم ہؤا کہ اس سے پہلے ہی رفعت دے چکے ہیں جب نہ زمانہ تھا، نہ زمین، نہ مکان تھا، نہ مکین، نہ ماضی، نہ مستقبل۔ خلاصہ کلام یہ ہؤا۔ کہ رب تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہر وقت، ہر جگہ، ہر طرح، ہر حیثیت سے رفعت و بلندی بخشی، اُن کا غلام اول درجہ کا بلند ہے، اُن کا دشمن اعلیٰ درجہ کا پست ہے

اُن کے در کا جو ہؤا خلقِ خدا اُس کی ہوئی
اُن کے در سے جو پھرا اللہ اُس سے پھر گیا

۹۲ ـ ۲۸

اِنَّ الَّذِیۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا تَتَنَزَّلُ عَلَیۡہِمُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوۡا وَ لَا تَحۡزَنُوۡا وَ اَبۡشِرُوۡا بِالۡجَنَّۃِ الَّتِیۡ کُنۡتُمۡ تُوۡعَدُوۡنَ ۝

قربان اس معجز نما قرآن کے جس کی ایک ایک آیت ساری زندگی انسان

کے لئے دستورالعمل ہے۔ اس آیت میں مومن بننے کا طریقہ اور مومن کا ثواب بیان فرمایا گیا ہے۔ یہاں چند امور قابلِ لحاظ ہیں۔ قالوا ربنا اللہ سے کیا مراد ہے؟ استقاموا کا مطلب کیا ہے؟ نزولِ ملائکہ سے کیا مراد ہے؟

(۱) قالوا ربنا اللہ سے مراد یا تو یومِ میثاق کا قول ہے جبکہ الست بربکم کے جواب میں سب نے بلیٰ کہا۔ تب تو استقامت سے مراد ہے دنیا میں بھی مومن رہنا۔ اسی لئے روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کے نزول پر حضور نے فرمایا ذالک امتی یعنی یہ میری اُمّت کی صفت ہے (روح البیان) یعنی کافر ومنافق، یہود ونصاریٰ اُس میثاق کے عہد پر قائم نہ رہ سکے، انسانوں کو خدا مان بیٹھے مگر مسلمان قائم رہے۔ یا استقامت سے دنیا میں قول و اقرار مراد ہے یعنی دنیا میں مومن ہو کر ایمان پر قائم رہے۔

(۲) استقامت میں چند قول ہیں۔ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایمان پر قائم رہنا، عثمان غنی رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں، عمل کا ریا سے پاک ہونا کہ یہ یا شرک خفی ہے۔ اسی لئے قیامت کے دن ریاکار، شہدا، علما اسخیاء غرضکہ سب ریاکار جہنم میں ڈالے جائیں گے۔ اُن سے کہا جاوے گا کہ تمہارے یہ افعال ریا کے لئے تھے، نہ ہمارے لئے (دیکھو مشکوٰۃ) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ادائے فرائض (روح البیان) یعنی رب کے فرائض ادا کرنا استقامت ہے۔ یہ تو جزئیاتِ استقامت کا بیان ہے۔ اور استقامت کلی یہ ہے۔ کہ قلب و قالب کا ہر حال میں حق پر رہنا۔ مومن میں دو چیزیں درکار ہیں۔ اجابت اور استقامت۔ اجابت عہد کرنا ہے۔ اور استقامۃ اس کی وفا۔ تمام کام آسان ہیں۔ مگر استقامت مشکل الاستقامۃ خیر من الف کرامۃ۔ ایک بزرگ سے کسی نے کہا کہ مَیں نے آپ کی کوئی کرامت نہ

دیکھی۔ فرمایا کیا تم نے میرا کوئی کام خلافِ سُنّت دیکھا۔ کہا نہیں، فرمایا یہ استقامت ہی میری کرامت ہے۔ اور کیا چاہیئے۔ ہوا میں اُڑنا، پانی پر چلنا ولایت نہیں۔ یہ کام مکھّی اور مچھلی بھی خوب کرتی ہے۔ دجّال بڑے عجوبے دکھائے گا۔ دین پہ استقامت ولایت ہے ؎

چند موقعہ پر استقامت کی آزمائش ہوتی ہے۔ خوشی میں، رنج میں، غصّہ میں، بڑے بڑے پرہیزگار شادی بیاہ کے موقعہ پر ناچ گانے و دیگر محرمات کے مرتکب ہو جاتے ہیں، اور رنج میں کلمات کفر یہ بک دیتے ہیں، غصّہ میں ظلم و تعدی کر بیٹھتے ہیں، جس سے پتہ چلتا ہے کہ ابھی کچے ہیں ؎

ظفر آدمی اُس کو نہ جانئے گا ہو وہ کتنا ہی صاحبِ فہم و ذکا
جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہی جسے طیش میں خوفِ خدا نہ رہا

ایک اصحابی اپنے غلام کو غصّے میں مار رہے ہیں۔ ایک آواز کان میں آئی۔ کہ تم بھی کسی کے خطا کار غلام ہو، اور تمہارا بھی کوئی آقا ہے۔ نظر اٹھا کر دیکھا، تو خود حضور فرما رہے تھے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ جب کسی پر غصّہ آئے، تو سمجھ لو کہ ہم بھی کسی کے مجرم ہیں ؎

نہ تھی اپنے جو عیبوں کی ہم کو خبر دیکھتے اوروں کے عیب و ہنر
پڑی اپنی بُرائیوں پر جو نظر تو جہاں میں کوئی بُرا نہ رہا

شاہجہان نے تختِ طاؤس نو کروڑ روپیہ میں تیار کرایا۔ تیاری پر تخت نشینی کا بڑا جشن کیا، جب تخت پر بیٹھا، تو فوراً کھڑے ہو کر دو رکعت نفل ادا کیں، لوگوں نے پوچھا کہ اس وقت نفل کا کیا موقعہ تھا؟ جواب دیا کہ فرعون نے فقط ملک مصر پایا، جو ہندوستان سے چھوٹا ہے، اور ہاتھی دانت کا تخت بنایا، جو قیمت میں میرے تخت سے کم تھا۔ مگر جب بیٹھا، تو کہا انا ربکم الاعلیٰ

میں خدا ہوں۔ میں آج سارے ہند کا واحد مالک ہوں، اور اس سے بدر جہا قیمتی تخت پہ بیٹھا ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ نفس غرور کرے۔ میں نے سر کو خاک پہ رکھ کر کہا سبحان ربی الاعلیٰ اپنی ذلت اور رب کی عظمت کا اقرار کیا۔ یہ ہے استقامت کہ رب تعالیٰ کو تخت پر بھی یاد رکھے اور تختہ پہ بھی ؂

شاہجہان کو جامع مسجد دہلی کا سنگِ بنیاد رکھنا تھا۔ شاہجہان خود موجود تھا، حکم دیا کہ سنگِ بنیاد وہ رکھے جس کی تہجد کبھی قضا نہ ہوئی ہو۔ یہ سُن کر کسی کو جرأت نہ ہوئی۔ تب خود شاہجہان نے بنیاد رکھی ؂

جہانگیر کا غلام عبداللہ نامی تھا ایک بار بادشاہ نے کہا۔ کہ عبدل یہاں آؤ! اُس نے کہا کہ غلام سے کیا خطا ہوئی کہ آدھا نام لیا؟ فرمایا کہ میں اُس وقت بے وضو تھا اللہ کا نام نہ لیا ؂

جہانگیر اپنی بی بی نور جہاں کا ایسا عاشق تھا کہ کچہری میں جب تک نور جہاں اندر کھڑکی سے اپنا ہاتھ بادشاہ کی پشت پر نہ رکھتی، بادشاہ کا دماغ صحیح نہ رہتا اور کچہری نہ کر سکتا تھا۔ لیکن نور جہاں رافضیہ تھی۔ اُس نے ایران سے عبداللہ شوستری کو بلا کر آگرہ کا قاضی بنایا۔ یہ تقیۃً شافعی بنا۔ اور قاضی القضات کے عہدہ پر رہا۔ اُس نے ایک کتاب لکھی المصائب والنوائب۔ اُس میں لکھا ہے:-

ع۔ "زعمرِ خویش بیزارم کہ او نامِ عمر دارد"۔ یعنی میں اپنی عمر سے بیزار ہوں کہ اُس کا نام عمر ہے۔ اِس سے تمام شہر میں شور مچ گیا۔ جہانگیر کو جو خبر ہوئی۔ اُس نے بلا کر پوچھا۔ کہ تو نے یہ کیا کیا؟ عبداللہ جانتا تھا کہ جہانگیر نور جہاں کے قبضہ میں ہے۔ صاف صاف کہدیا میں رافضی ہوں۔ تقیہ اب تک کر رہا تھا۔ جہانگیر نے کہا کہ اگر تو اپنی عمر ناپاک سے بیزار ہے، تو میں بھی نہیں چاہتا کہ تو دنیا میں رہے۔ تلوار اُٹھائی قتل کے لئے خود اٹھا۔ نور جہاں نے پیچھے سے دامن کھینچا۔ دامن جھٹک کر چھڑا

لیا۔ اور اس کو قتل کر کے نور جہاں سے فرمایا کہ جانِ من جاں دادہ ام ایمان نہ دادہ ام
میری جان! میں نے تجھے جان دی ہے ایمان نہیں دیا ہے۔ استقامت یہ بھی ہے
کہ انسان ہر موقعہ پر اپنی اصلیت کو یاد رکھے۔ حضرت ایاز علیہ الرحمتہ ہمیشہ کچھ دیر
موتی خانہ میں تنہا بیٹھا کرتے تھے۔ لوگوں نے شکایت کی۔ کہ اے محمود! شاید ایاز
نے چوری کی ہے۔ جس کو روزانہ جا کر شمار کرتا ہے۔ سلطان وقت مقررہ پہ موتی خانہ
پہنچے اور دروازہ کھلوایا، دیکھا کہ ایاز تنہا بیٹھے ہیں، اور ایک آہنی صندوق مقفل
پاس رکھا ہے۔ پوچھا کہ اس میں کیا ہے؟ فرمایا کہ میری عیب پوشی فرمائیے۔ شاہ
نے کہا کہ فوراً کھولو! کھولا تو اس میں پھٹی ہوئی ٹوپی اور پھٹا ہوا کرتہ، پائجامہ رکھا
تھا۔ شاہ نے کہا۔ یہ کیا؟ عرض کیا کہ حضور کے یہاں یہ پہنے ہوئے آیا تھا۔ اب
نفس سے کہتا ہوں کہ بادشاہ کی مہربانیوں سے اپنی اصلیت نہ بھولنا۔ اس لئے
روزانہ پہنتا ہوں۔ بادشاہ رونے لگا۔ اور کہا تو اپنی اصلیت نہ بھولا۔ مگر میں بھول
گیا۔ کہ ماں کے پیٹ سے ننگا آیا تھا، مگر رب کی نعمتیں پا کر اسے بھول گیا۔

(۳) تتنزل علیھم الملٰئکۃ میں چند احتمال ہیں۔ یا تو دنیاوی مصائب
کے وقت ملائکہ ان کے قلب کو آسائش و اطمینان دیتے ہیں۔ کہ وہ کسی مصیبت
سے گھبراتے نہیں۔ یہ بھی استقامت کا ایک فائدہ ہے۔ یا بوقت نزع کہ فرشتے
اچھی شکل میں آ کر فرماتے ہیں یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الیٰ ربک
راضیۃ مرضیۃ اے پاک روح اپنے رب کے پاس چل، وہ تجھ سے راضی، تو
اس سے راضی ہے۔ اس سے نزع کی شدت کم محسوس ہوتی ہے۔ اور خوشی حاصل
ہوتی ہے۔ موت کے وقت پیاری چیز کا سامنے آنا آسانی کا سبب ہے۔ اسی لئے
میت کے پاس اس کے پیاروں اور قرابت داروں کو جمع کیا جاتا ہے ؎
شدتِ جانکنی ہو جب نزع کی جب ہو کشمکش

ورد زباں ہو یا خدا صَلِّ عَلٰے محمّدٍ
دم نزع سالکِ بےنوا کو دکھانا شکل خدا نما
کہ قدم پہ آپ کے نکلے دم بس اسی پہ دار و مدار ہے

یا قبر میں جبکہ نکیرین مُردے کو امتحان میں کامیاب پاتے ہیں. تو فرماتے ہیں نم کنومة العروس دُلہن کی طرح سو جا. یا بروزِ حشر کہ ملائکہ نامۂ اعمال سیدھے ہاتھ میں دے کر کہتے ہیں تجھ کو مبارک ہو. معلوم ہوا کہ استقامت ہے تو بہت مشکل مگر بہت اچھا پھل رکھتی ہے. اللّٰھم ربنا ارزقنا الاستقامة علٰی دینك بجاہ حبیبك علیه الصلوٰة والسلام. وہ ہی پرکار صحیح دائرہ کھینچ سکتا ہے جس کا ایک قدم مرکز پر قائم ہو. دوسرا متحرک. تم بھی ایک قدم شریعت پر قائم کرو، دوسرا دنیاوی امور میں متحرک کرو تمام کام بنیں گے. اگر شریعت سے ہٹے کام بگڑا، کوٹھے میں بھی مسلمان رہو اور کوٹھڑی میں بھی، راحت میں بھی ایمان پر قائم رہو، غم میں بھی. جس سُوئی کا ڈورا ہوتا ہے وہ کبھی نہیں گم ہوتی. تم بھی شریعت کے ڈورے میں منسلک رہو، کبھی ضائع و برباد نہ ہوگے. اسی طرح جب ڈورا موم کے ساتھ منسلک ہوتا ہے. تب ہی موم بتّی بن کر روشنی دیتا ہے. تم بھی اپنے آپ کو نیک لوگوں کے ساتھ منسلک رکھو، خود بھی روشن رہو گے اور سب کو منوّر کر دو گے، اگر علیحدہ ہوئے، تاریک ہو جاؤ گے، اچھوں کی صحبت اچھا کر دیتی ہے۔

نکتہ: قالوا ربنا اللہ میں بہت وسعت ہے، مُنہ سے قول ہو، دل سے اعتقاد ہو، پھر جب اللہ کو رب کہدیا، تو ضروری ہے کہ اُس کے پیغمبروں اور کتابوں کو بھی مانا جاوے. اور پیغمبر علیہ السلام کو مانا، تو ضروری ہے، کہ اُن کے صحابہ کرام، اہلِ بیت عظام اور خدام کو مانا جاوے. جسے اپنا مالک کہدیا، اُس کے سارے قرابت داروں اور دوستوں کو اپنا حاکم مان لیا. اور اُس کے سارے احکام

کو اپنے پر لازم کر لیا. اسی طرح جب اللہ تعالےٰ کو اپنا رب کہدیا، تو اُس کے پیاروں کی اطاعت، اُس کے احکام کی پابندی اپنے ذمہ ضروری کر لی. کفار اللہ تعالیٰ کو لاکھ بار اپنا رب کہیں کچھ معتبر نہیں. مسلمان اُسے رب کہے معتبر ہے. کیونکہ کفار پیغمبروں کا انکار کر کے عملاً اپنے قول کی تردید کر رہے ہیں. ایک ہوا سانپ کے منہ میں جاکر اور تاثیر رکھتی ہے، اور بُلبل یا شہد کی مکھی کے منہ میں جاکر دوسری تاثیر. ایسے ہی ایک ربنا اللہ مومن کے مُنہ سے نکلے، تو اُس کی یہ تاثیر کہ تتنزل علیہم الملئکۃ" اور کافر و منافق کے منہ سے نکلے کوئی اثر نہیں. دعاؤں کا بھی یہ ہی حال ہے ؏

۹۲ — ۴۸۶

يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ○

اِس آیت کریمہ میں تین امور قابلِ غور ہیں. یآ سے خطاب، استجابت کا حکم. لما یحییکم کی مکمل بحث ؏

(۱) تمام اُمتوں کو اُن کا نام لے کر پکارا گیا یا ایھا الذی ھاد و غیرہ مگر امت مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بڑے پیارے خطاب اٰمنوا سے پکارا. اگرچہ ایماندار وہ بھی تھے. مگر یہ خطاب مسلمانوں سے خاص کیا گیا. کیونکہ مسلمانوں کے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کو بھی اسم شریف سے نہ پکارا گیا، بلکہ اچھے خطاب سے. دوسرے یہ کہ خطاب سے ہی پتہ لگ جاتا ہے کہ اس کے بعد قہر ہوگا یا کرم. ایک سے کہا، او نالائق! معلوم ہوا کہ عتاب ہے. ایک کو پکارا، او پیارے! معلوم ہوا کہ عنایت ہے. اس خطاب سے عنایت الٰہی کا پتہ لگتا ہے

یہ سب کچھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل ہے ؎

(۲) استجیبوا سے معلوم ہوا کہ حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمان کی اجابت ہر حال میں کرنی واجب ہے۔ چاہے نماز میں ہو، یا بی بی کے ساتھ جماع میں، بہرحال اطاعت ضروری۔ حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو سرکار نے پکارا، جبکہ وہ نماز میں تھے، جلد جلد نماز ختم کرکے حاضر ہوئے۔ فرمایا اتنی دیر کیوں لگی؟ عرض کیا نماز میں تھا۔ فرمایا کیا تم نے یہ آیت نہ پڑھی یاایھا الذین اٰمنوا استجیبوا للّٰہ وللرسول یعنی اگرچہ نماز میں تھے، مگر ہماری آواز سُن کر فوراً آنا چاہئے تھا۔ چند صورتوں میں نماز توڑ دینا جائز ہے۔ ان میں ایک ماں کی ندا کے وقت، جب ماں جانتی نہ ہو کہ میرا بچہ نماز میں ہے، اور نماز بھی نفل ہو یا کسی جان کے ضائع ہونے کے خوف کی صورت میں، جیسے نابینا کنوئیں میں گرا جا رہا ہے، نمازی نے نماز میں دیکھ لیا، یا چار آنہ کے نقصان کی صورت میں، نمازی کی سواری بھاگی جارہی ہے، یا ریل چھوٹ رہی ہے وغیرہ (دیکھو شامی کتاب الصلوٰۃ) والدہ کی آواز پر نماز توڑنا جائز ہے، نہ کہ والد کی، کیونکہ احترام والد کا زیادہ ہے، اُس کے لئے کھڑا ہو جاوے، اور خدمت والدہ کی بہت (روح البیان یہ ہی آیت) مگر ماں کی آواز پر صرف نفل نماز توڑ سکتے ہیں نہ کہ فرض اور اس سے نماز ٹوٹ جاوے گی۔ مگر حضور علیہ السلام کی آواز پر فرض نماز بھی چھوڑ کر آنا ضروری ہے۔ اور اس آنے جانے سے نماز نہ ٹوٹے گی ؎

صحابہ کرام سے ثابت ہے کہ وہ ہر حال میں حکم مصطفےٰ علیہ السلام کی اطاعت کرتے تھے۔ طحاوی شریف باب الغسل میں ہے کہ ایک صحابی کو حضور علیہ السلام نے ندا دی۔ وہ اپنی بی بی سے جماع کر رہے تھے۔ اُسی حالت میں بغیر فراغت چلے آئے۔ سرکار نے فرمایا لعلنا اعجلناک، عرض کیا ہاں۔ فرمایا کہ اکساں سے

سے غسل واجب ہے، اکسال کے معنی ہیں بغیر انزال کے عورت سے بغیر دخول علیحدہ ہوجانا۔ اسی واقعہ سے یہ مسئلہ ثابت ہوا۔ اسی طرح حضرت حنظلہ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جمیلہ کے ساتھ نکاح کیا، زفات کی رات تھی، جماع کر لیا، غسل نہ کیا تھا، کہ احد کی جنگ کی شرکت کے لئے حکم پہنچا، اسی حالت میں اپنی نئی نویلی دُلہن کو چھوڑ کر چل دیئے اور شہید ہوگئے۔ صحابہ نے دیکھا کہ شہداء کے درمیان اُن کی نعش مبارک سے پانی ٹپک رہا ہے۔ تعجب کیا، اُن کی بی بی نے خبر دی، کہ یہ حالتِ جنابت میں تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، کہ ان کو ملائکہ نے غسل دیا ہے، اسی لئے ان کا نام غسیل الملائکہ ہے (دیکھو کتب تواریخ اور مقدمہ ہدایہ)۔ یہ تھا آیت پر عمل ع :۔

اصل الاصول بندگی اُس تاجور کی ہے

نکتہ: یہاں دو باتیں سمجھنی چاہئیں، اول یہ کہ ندائے مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس قدر اہم کیوں قرار دیا کہ ہر حالت میں اجابت لازم کی گئی، دوم فرمایا گیا اللہ وللرسول اور پھر فرمایا دعاکم صیغہ واحد، بلانے والا ایک مگر اطاعت دو کی، اللہ ورسول کی۔ بات یہ ہے کہ مسلمان مرد حضور کا غلام ہے، اور مسلمان عورت حضور کی لونڈی النبیّ اولیٰ بالمومنین من انفسہم: اولیٰ کے معنی یا تو اقرب، جیسے کہ قاسم صاحب نانوتوی نے تحذیر الناس میں لکھا، یا املک، دیکھو حضور نے جب حضرت زید ابن حارث (اپنے معتق) کا پیغام، حضرت زینب کے پاس بھیجا، تو انھوں نے اور اُن کے بھائی نے انکار کیا، تو آیت نازل ہوئی ماکان لمومن ولامومنۃ اذا قضی اللہ ورسولہ الآیہ یعنی جب اللہ رسول کسی بات کا فیصلہ کردیں، تو کسی کو قبول نہ کرنے کا حق نہیں، جیسے مولے جہاں چاہے لونڈی کا نکاح کردے، لونڈی کو انکار کا کوئی حق نہیں۔ اسی

طرح یہاں ہوا۔ حالانکہ نکاح میں اذنِ عورت ضروری ہوتا ہے۔ نیز حضور پر زکوٰت فرض نہیں، کہ زکوٰۃ دیں تو کس کو، سب تو اُن کے غلام ہیں۔ اپنے غلام کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔ مگر بعض احکام احرار کے جاری ہوئے، تو یہ اُن کا کرم ہے۔ جیسے ازواج النبی امہات المومنین ہیں، مگر میراث نہیں، اور مملوک کو لازم ہے کہ مولے کی پکار پہ دوڑے ۔

دوسری بات کی وجہ یہ ہے۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پکارنا حقیقۃً خدا کا پکارنا ہے۔ کیا ہی قرب الہٰی اور غنائیت فی الذات ہے، کہ اُن کے فعل کو اپنا فعل قرار دیا گیا۔ اسی لئے آیت میں ذکر تو ہے اللہ اور رسول کا، مگر دعا صیغہ واحد ہے، تو اشارہ اس جانب ہوا، کہ اگر تم نماز میں خدا کو یاد کر رہے ہو یا کوئی بھی دنیاوی فعل میں ہو، جب خدا بواسطۂ مصطفےٰ پکارے، تو فوراً حاضر ہو جاؤ، حضور کا حکم ماننا رب کا حکم ماننا ہوگا ۔

(۳) لما یحییکم کی دو تفسیریں ہو سکتی ہیں، ایک یہ کہ یہ عبارت دعاکم کے متعلق ہو، اور ما موصولہ لام بمعنے الیٰ ما بعد صلہ ما بمعنی یہ ہوئے، کہ جب تم کو رسول ایسے فعل کے لئے بلادیں، جو تم کو زندگی بخشے، ایمان یا علم یا جہاد یا شہادت یا نماز کسی کام کے لئے بلائیں، کہ یہ سب چیزیں روحانی زندگی بخشتی ہیں۔ بلکہ اگر اپنی کسی اطاعت کے لئے بلاویں، کہ اُن کی اطاعت ہی اصل اعمال ہے، تو فوراً چلے آؤ، نہ نماز کا عذر کرو، نہ کسی اور عبادت کا ۔

مولیٰ علی نے واری تری نیند پر نماز ۔ اور وہ بھی عصر سب سے جو اعلےٰ خطر کی ہے

معلوم ہوا کہ جملہ عبادت فروغ ہیں ۔ اصل الاصول بندگی اُس تاجور کی ہے

یا لام تعلیلیہ ہے۔ لما متعلق استجیبوا کے یعنی اُن کی آواز پہ چلے آؤ۔ کیونکہ وہ تم کو زندگی بخشتے ہیں۔ اس کی شرح اس شعر سے ہوتی ہے ۔

صد ہزاراں جبریل اندر بشر ٭ بہر حق سوئے غریباں کُن نظر

حضرت جبریل علیہ السلام کو اللہ تعالےٰ نے وہ عظمت و روحانیت بخشی ہے. کہ جس چیز سے وہ مس کریں، وہ چیز زندہ ہو جاوے. بلکہ وہ چیز بھی جس کو لگ جاوے اُس کو زندہ کر دے. پھر یہ چیز بھی جس کو لگے، اُسے بھی زندگی ملے. اسی لئے اُن کو قرآن کریم میں روح فرمایا گیا. فارسلنا الیہا روحنا یا بروح القدس وغیرہ۔ چنانچہ جب فرعون نے حضرت موسےٰ علیہ السلام کا مع قبطیوں کے پیچھے کیا، تب وہ گھوڑے پر سوار تھا، موسےٰ علیہ السلام مع بنی اسرائیل دریائے نیل کو خشک کر کے اس میں داخل ہو گئے، اور پانی پہاڑوں کی شکل میں آس پاس کھڑا ہو گیا، فرعون گھبرا گیا، سوچنے لگا کہ پانی میں راستہ کیسے پیدا ہو گیا. مَیں اس میں داخل ہوں یا نہ ہوں. چاہا کہ داخل نہ ہو، حضرت جبرئیل امین ایک گھوڑی پر سوار ہو کر آگے آگے چل دیئے. فرعون کا گھوڑا بے قابو ہو کر نیل میں داخل ہو گیا، اور سب غرق ہو گئے مگر جبریل کے گھوڑے کی ٹاپ جہاں پڑتی تھی، وہاں گھاس پیدا ہو جاتی تھی، بنی اسرائیل کے ایک سنار نے اس کی ٹاپ کے نیچے کی مٹی اٹھا لی، اور یہاں سے نجات پا کر سونے کا بچھڑا بنا کر اُس میں یہ مٹی ڈالی. جس سے بچھڑے میں حرکت پیدا ہوئی. اور اُس کی پوجا شروع کر دی. یہ گائے پرستی کی ابتدا ہے. جیسے نمرود کی آگ سے آتش پرستی اور ہولی کی ابتدا ہوئی. کہ جب حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی گوپھن بھاری ہو گئی، تو شیطان نے کہا کہ یہاں رنگ وغیرہ پھینک کر شرارت کرو، جس سے ملائکۂ رحمت جُدا ہوں، اور گوپھن ہلکی ہو، اس پر عمل ہوا، یہ ہی ہولی کی ابتدا ہوئی ہے

دیکھو جس گھوڑی کو حضرت جبریل نے مس کیا، اُس گھوڑی کے مَس سے زمین میں جان آئی. اور مٹی کے مس سے بچھڑے میں جان آئی، مولانا عرض کرتے ہیں

کہ یا حبیب اللہ آپ بشر تو ہیں، مگر ایسے کہ ہزارہا جبریلی روحانیات اور طاقتیں آپ میں ہیں۔ اگر آپ مجھ غریب پر نظر فرما دیں، تو مجھے بھی زندگی مل جاوے، اُن کی نظر کا تو یہ حال ہے، کہ حضرت صدیقہ نے حضور کا تہبند مبارک ایک بار اوڑھ لیا، تو چودہ طبق روشن ہو گئے۔ جس مولانا نے اس طرح بیان فرمایا ہے ؎

مصطفٰے روزے بگورستاں برفت ✽ با جنازہ یارے از یاراں برفت
خاک را در گورِ او آگندہ کرد ✽ زیرِ خاک آں دانہ اش را زندہ کرد
چوں ز گورستاں پیمبر باز گشت ✽ سوئے صدیقہ شد و ہمراز گشت
چشمِ صدیقہ چو بر رویش فتاد ✽ پیشش آمد دست بر وی می نہاد
گفت پیغمبر چہ مے جوئی شتاب ✽ گفت باراں آمد امروز از سحاب
جامہایت می بجویم در طلب ✽ تر نمی بینم ز باراں اے عجب
گفت چہ بر سر فگندی از ازار ✽ گفت کردم آں ردایت را اختمار
گفت بہر آں نمود اے پاک جیب ✽ چشمِ پاکت را خدا بارانِ غیب
نیست ایں باراں ازیں ابرِ شما ✽ ہست باراں دیگر و دیگر سما

اُمتِ مصطفٰے صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے ایک ولی کامل حضرت خضر علیہ السلام کو خضر اس لئے کہتے ہیں کہ جس جگہ وہ قدم پاک رکھتے ہیں، اُس جگہ سبزی آجاتی ہے خضر بمعنی سبز۔ ان کے قدم پاک میں یہ حیات ہے، نیز جبکہ اُن سے ملاقات کرنے کی غرض سے باامرِ الٰہی حضرت موسےٰ علیہ السلام اپنے ساتھی یوشع علیہ السلام کو لے کر چلے، تو راستہ میں بھُونی ہوئی مچھلی توشہ میں رکھ لی، جب مجمع بحرین پر پہنچے، تو وہ مچھلی اُس جگہ کی آب و ہوا کی تاثیر سے زندہ ہو کر پانی میں تیر گئی، اور پانی میں سوراخ ہو گیا۔ اُس آب و ہوا میں زندگی بخشنے کی تاثیر حضرت خضر علیہ السلام کی برکت سے ہوئی ؟

یہ تو اولیائے امت کا حال ہے، تو والیٔ اُمّت کس قسم کی حیات بخشتے ہیں خود اندازہ لگالو۔ اسی لئے اولیائے کرام کے مزارات کے پاس مُردے دفن کرنا بہتر ہے کہ جو انعام الٰہی اُن پر ہو رہے ہیں، وہ اپنے پڑوسیوں کو اس سے محروم نہ کریں گے، کسی بڑے آدمی کے پاس بیٹھو، تو اس کو جو پنکھا ہو رہا ہے، اُس کی ہوا ہم کو بھی پہنچ جاوے گی۔ یہ ہی وجہ ہے کہ مدینہ پاک کی نماز پچاس ہزار نمازوں کے برابر اور مکہ معظمہ میں نماز ایک لاکھ کے برابر، کہ وہاں کی آب و ہوا نمازوں کے لئے زیادہ موافق ہے، جیسے کہ پہاڑی علاقہ کے پھل بہت بڑے اور موٹے ہوتے ہیں۔

مکہ مکرمہ کی نماز مدینہ منورہ کی نماز سے ثواب میں زیادہ ہے۔ مگر درجہ میں معاملہ برعکس۔ اسی لئے اگر مدینہ پاک میں جماعت سے نماز پڑھی، تو امام سے داہنی طرف ثواب زیادہ، مگر بائیں طرف درجہ زیادہ، کہ بائیں طرف روضۂ مطہرہ سے قرب ہے، روضہ مطہرہ بائیں طرف ہے، جیسے کہ جسم انسانی میں دل بائیں طرف ہے، درجہ اور ہے ثواب کچھ اور۔ اگر بادشاہ کسی سپاہی سے خوش ہو کر اُسے لاکھ روپیہ انعام دے دے، اور وزیر کو کچھ نہ دے، تو سپاہی اس انعام کی وجہ سے وزیر سے نہ بڑھ جاوے گا۔ درجہ وزیر ہی کا بڑا رہے گا۔

کچھ لوگ حضرت طلحہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے مکان پر دعوت کھانے گئے، دستر خوان میلا تھا، اُس کو صاحب خانہ نے آگ میں ڈال دیا۔ کچھ دیر کے بعد اس کو صحیح و سلامت نکالا۔ کہ وہ صاف ہو چکا تھا۔ طلحہ نے کہا کہ ایک بار حضور علیہ السلام نے اُس سے دست مبارک صاف فرمائے تھے۔ تب سے اس کو آگ نہیں جلاتی۔ انسان تو پھر انسان ہے۔ بے جان کپڑے کو جسم شریف سے مس ہو گیا، تو وہ بھی زندہ ہو گیا۔ بارہا دیکھا گیا ہے کہ اولیاء اللہ کے جسم کے کفن بھی مدت دراز گزرنے کے باوجود نہیں گلتے۔ جب بے جان چیزوں یعنی کپڑے کو ایسی زندگی

ملے کہ فولاد کو مٹی گلا دے، مگر کپڑے کو نہ گلا سکے۔ تو حضرتِ انسان تو پھر جاندار ہیں۔ ابھی کچھ سال پیشتر بغداد میں حضرت حذیفہ ابن یمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے مزار پاک کو کھول کر سلمان فارسی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے مقبرہ میں دفن کیا گیا، تو معلوم ہوا، کہ زخم سے خون کا اثر تھا، اور کفن ویسے ہی سلامت تھا۔ یہ امور قابلِ عبرت ہیں۔ کہ تیرہ سو برس میں کفن کا کپڑا نہ گلا ۔

اگر اب بھی بذریعہ علماء، مشائخ فرمانِ مصطفےٰ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کسی کو پہنچے، تو اطاعت اور اجابت ضروری ہے۔ اسی لئے اذان سُن کر حاضری مسجد زمانہ حج میں حاضری حرمین پاک لازم ہے۔ یہ حکم ایک لحاظ سے اب بھی باقی ہے۔

۹۲ — ۲۸۶

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ الآیہ

اِس آیت کریمہ میں چند امور قابلِ غور ہیں:۔

اولاً یہ کہ بقر کے آخر میں اس آیت کو کیوں فرمایا گیا؟

دوم یہ کہ اس آیت کا نزول کس موقعہ پر ہوا۔

سوم یہ کہ اس سے کیا کیا فوائد حاصل ہوئے، اور مسائل کیا معلوم ہوئے۔

(۱) سورۂ بقر کے خاتمہ پر یہ آیت کریمہ بیان ہوئی۔ کیونکہ اس سورہ مبارکہ کے اوّل میں تو خدائے قدوس کی طرف سے اس کتاب کے نازل ہونے کا ذکر تھا آخر میں اُس کے محبوب کا ذکر۔ باقی تمام سورۃ پاک اللہ رسول کے ذکر کے درمیان میں ہے۔ یہ ہی حال کلمہ کا ہے، یہ ہی نماز کا، یہ ہی دنیا کی زندگی کا، یہ ہی تمام دعاؤں کا، کہ اوّل خدا کا ذکر، آخر میں اُس کے حبیب کا ذکر، نماز شروع ہوئی اللہ اکبر سے، ختم ہوئی درود شریف پر، دُنیا میں آؤ، تو اذان سُنو، اور جاؤ تو کلمہ پڑھتے ہوئے۔ دعا شروع کرو، تو اللہ کی حمد و ثنا سے، اور ختم کرو، تو صلے

اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ سے، ہر کام ایسا ہی ہونا چاہیئے. نیز جب حکم سلطانی چلتا ہے، تو اول سلطان کا نام ہوتا ہے. بعدیں احکام، آخر میں مہر عدالت اور وزراء و امراء کی تصدیق، سورۂ بقر میں اولاً نام سلطانی اور بیچ میں احکام قرآنی آخر میں عدالتِ مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مُہرِ تصدیق. اور صدیق و فاروق وغیرھم صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تصدیق. یعنی یہ احکام خدا تعالےٰ نے بھیجے، اور محبوب مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور اُن کے غلاموں نے تصدیق فرمائی اس صورت میں اٰمَنَ بمعنی صدّق ہے ◆

۲، اِس آیت کا نزول اس موقعہ پر ہوا، کہ جب پچھلی آیت وان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ الآیہ نازل ہوئی. جس میں فرمایا گیا، کہ رب تعالےٰ دلی خیالات کا بھی حساب لگائے گا. تب صحابہ کرام کی ایک جماعت حاضر بارگاہ بے کس پناہ ہو کر عرض گذار ہوئی، کہ یا حبیب اللہ تمام احکام کی ہم نے اطاعت کی اور عہد کرتے ہیں کہ وفادار رہیں گے. لیکن خطراتِ قلب اور وسوسے قابو سے باہر ہیں. اگر ان پر حساب ہوا، تو نجات کی کیا راہ ہے. حضور علیہ السلام نے فرمایا کیا تم رب تعالیٰ کی شکایت مجھ سے کرتے ہو؟ اور کیا تم چاہتے ہو، کہ بنی اسرائیل کی طرح کہو سمعنا وعصینا سُن لیا مگر مانیں گے نہیں. عرض کیا، کہ نہیں، تب اٰمن الرّسول کا نزول ہوا. اِس آیت میں غلامانِ مصطفےٰ صلے اللہ تعالیٰ علیہ و سلم کی سفارش فرمائی گئی، کہ اے محبوب یہ آپ کے خدام مطیع ہیں، ہم فرماتے ہیں، کہ رسول بھی ایمان لائے ہیں، اور یہ مسلمان بھی. اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کا ایمان خدائے قدوس کا تصدیق کیا ہوا ہے. جو اس کا منکر ہے، وہ قرآن کا منکر، بلکہ اُن کے ایمان پر ہم کو ایمان لانا ضروری ہے ◆

اس آیت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ کرام کے ایمان کا علیحدہ

علیحدہ ذکر فرمایا، ورنہ لفظ مؤمنون تو رسول کو بھی شامل تھا، تاکہ کوئی نااہل اُن کو اپنے جیسا مومن سمجھ کر بھائی کہنے کی جرأت نہ کرے. نیز اگرچہ لفظ مومن تو انبیا اور امت کو شامل ہے. مگر نوعیتِ ایمان میں زمین و آسمان کا فرق ہے. محض لفظی اشتراک ہے، دیکھو اللہ بھی مومن ہے المؤمن المھیمن العزیز قرآن کریم میں ارشاد ہے. مگر اس لفظ مومن اور ہمارے مومن میں فرق عظیم ہے. خدا کو بھائی نہیں کہہ سکتے. ایسے ہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مسلمان بھائی نہیں کہا جا سکتا. حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایمان اور ہمارے ایمان میں بہت فرق ہے حضور نے خدا کو دیکھ کر جانا، ہم نے سُن کر، جنّت و دوزخ، حشر و نشر سب حضور کی زیرِ نظر، سب پر حق الیقین ہمارا سُنا ہوا ایمان ہوا، حضور کو اپنی نبوت کا علم حضوری، کیونکہ اپنی ذات اور صفات حقیقۃً کا علم حضوری ہوتا ہے. ہمارے واسطے حصولی. تو کس طرح مساوات ہو سکتی ہے. نیز ہم محض مومن، حضور اللہ کے مومن. اور مسلمان کے ایمان، صاحبِ قصیدہ بردہ نے فرمایا ؎

الصدق فی الغار والصدیق لم یرما

وھم یقولون مافی الغار من ارم

یعنی غار ثور میں مومن اور ایمان یعنی صدیق اور مصدق بہ موجود تھے. اسی لئے ہمارے کلمہ میں تو حضور علیہ السلام کا نام پاک ہے، حضور کے کلمہ میں امت کا نام نہیں. نیز ہم مومن سرکار عالی مومن گر. اس سے کہیں بڑا فرق. مسئلہ بشریت میں ہے یحاسبکم بہ اللہ، حساب کے مسئلہ میں تحقیق یہ ہے، کہ گناہ اور ارادۂ گناہ کا حساب ہے. ارادۂ گناہ بھی گناہ ہے. اور خطراتِ قلب کا نہ حساب نہ پکڑ، اسی کو لا یکلف اللہ نفساً الا وسعھا نے بتایا. حدیث شریف میں فرمایا گیا رفع عن امتی الخطاء والنسیان وما وسوست بہ نفسہ. اسی

لئے انبیائے کرام گناہ اور ارادہ گناہ سے پاک ہوتے ہیں۔ یوسف علیہ السلام نے قصدِ گناہ نہ فرمایا۔ اس لئے کہ آیت وھم بھا لولا ان رّاٰ برھان ربہ کے معنے ہیں کہ وہ بھی عورت کا قصد کر لیتے، اگر اپنے رب کی برہان نہ دیکھتے۔ اس کی تحقیق ہماری کتاب قہرِ کبریا میں دیکھو۔

انبیائے کرام ہر وقت عارف باللہ اور ایمانیات سے باخبر ہوتے ہیں۔ حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی فرمایا کہ اتانی الکتاب وجعلنی نبیًا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پیدا ہوتے ہی سجدہ فرما کر فرمایا رب ھب لی امّتی۔ معلوم ہوا کہ رب کو بھی پہچانتے ہیں، اور اپنی نبوت سے بھی باخبر ہیں، اور امت کو بھی جانتے ہیں۔ اسی لئے فرمایا کنت نبیًا و اٰدم بین الماء والطین۔ تو اٰمن سے مراد یا تو نزولِ قرآن سے پہلے والا اجمالی ایمان ہے، یا ایمان تفصیلی جو بعد نزول قرآن پاک حاصل ہوا۔ جیسے لیعلم اللہ میں۔ ما کنت تدری ما الکتاب ولا الایمان سے بھی، یا یہ ہی تفصیلی علم مراد ہے۔ یا تدری بمعنے عقل سے جاننا۔ معلوم ہوا، کہ مسلمانوں اور پیغمبر کے ایمان میں نوعیت ایمان کا بھی فرق ہے۔ اور وقتِ ایمان کا بھی۔ اُن کا ایمان سب سے پہلے۔ لا نفرق بین احدٍ من رسلہ سے مراد رسالتِ انبیاء میں فرق کرنا ہے، یعنی بعض کو رسول ماننا اور بعض کو نہ ماننا، یا بعض کو نبی بالذات ماننا اور بعض کو نبی بالعرض کما قال القاسم فی تحذیر الناس۔ کیونکہ نفس نبوت میں انبیاء میں کوئی فرق نہیں۔ مراتب و کمالات میں فرق ضروری ہے تلک الرسل فضلنا بعضھم علیٰ بعض اس پر شاہد ہے۔ اسی لئے یہاں من رسلہ فرمایا۔ مراتبِ رسلہٖ نہ فرمایا گیا۔ یا وہ فرق مراد ہے، جس سے بعض انبیاء کی توہین ہو جاوے۔ اسی لئے حدیث میں فرمایا گیا لا تفضلوا نی علیٰ یونس ابن متّٰی، ہمیں یونس علیہ السلام

پر بھی بزرگی نہ دو۔ پھر خود ہی فرمایا انا سید ولد اٰدم یعنی ہم سارے آدمیوں کے سردار ہیں۔ جس سے دوسرے پیغمبروں کی توہین ہو ایسی تعریف حرام ہے۔ یا مطلب یہ ہے، کہ ہم اپنی طرف سے انبیاء میں فرق نہیں کرتے، جو فرق رب تع نے فرمایا اُسی پہ اکتفا کرتے ہیں۔ آیت لا یکلف اللہ نفسًا الّا وسعہا میں بہت وسعت ہے۔ یا تو نفس کو عام کیا جاوے، انسان وحیوان، درخت وغیرہ کے لئے تو اس کا مطلب یہ ہے، کہ کسی جان پر طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالا جاتا، انسان ہو یا کوئی اور، دیکھو گھاس پھوس درخت وغیرہ میں چلنے کی طاقت نہیں۔ تو اُن کو رب تعالیٰ نے کھڑے کھڑے ہی پانی، کھاد اُسی جگہ پہنچایا، اور پرندوں وغیرہ جانوروں میں چلنے کی طاقت ہے۔ مگر کمانے کی نہیں۔ تو اُن کو گھونسلوں میں دانہ پانی نہ گیا، بلکہ کھیت وغیرہ میں جاکر، چونکہ حضرت انسان میں چلنے کی بھی طاقت تھی اور کمانے کی بھی، انہیں حکم ہوا کہ چلو اور کماؤ، پھر بھی بچپن میں کمزور تھے، تو دودھ کی نہریں اور زود ہضم غذا بغیر کمائے ہوئے دیں، جوان ہوئے، تو ہوا، پانی مفت دیا، غلّہ اور کپڑا حاصل کرنے کا حکم دیا مگر اس میں بھی بہت مدد فرمائی، بارش کا پانی، دُھوپ، چاندنی سب بغیر محنت بخشی۔ یا نفسًا سے مراد نفس انسانی ہے۔ اب مطلب یہ ہے کہ انسان میں جس قدر طاقت ہے، اُسی قدر اُس کو تکلیف دی۔ جو کام نہ ہو سکے یا جو سخت مشکل ہو، اُس کی تکلیف نہ دی، خاص کر مسلمانوں سے تو وہ تکالیف بھی دُور فرمادیں جو بنی اسرائیل پر تھیں۔ ہر جگہ نماز جائز کردی، پانی سے ہر چیز پاک فرمادی۔ چالیسواں حصہ زکوٰۃ مقرر کی، اُن کی نماز صرف عبادت خانہ میں ہوتی تھی اُن کو چوتھائی مال زکوٰۃ میں دینا پڑتا تھا، گندے کپڑے اور ناپاک جسم کے کاٹ ڈالنے کا حکم تھا، توبہ کے سخت شرائط تھے۔ مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی

طفیل مسلمانوں پر سختیاں نہ رہیں ؎

لھا ما کسبت وعلیھا ما اکتسبت کے معنے ہیں کہ نیک و بد اعمال خود عامل ہی کے لئے ہیں۔ نہ تو اور کو ملیں، اور نہ دوسرا اس میں شریک ہو۔ مگر دونوں معنے پر اعتراض ہے۔ اوّل پر یہ کہ اعمال کا ثواب تو اور کو بھی مل جاتا ہے اسی لئے قرآن کریم نے مسلمانوں کو حکم دیا، کہ دیگر مسلمانوں کے لئے دعائے مغفرت کرو، اگر کسی کی دعا اور عمل کسی کے لئے کارآمد نہیں، تو یہ کیوں؟ حضرت سعد نے کنوآں کھدوا کر کہا، کہ یہ کنوآں میری ماں کا ہے، اور احادیث بہت ہیں جن سے ثواب بخشنے کا ثبوت ہوتا ہے۔ دوسرے جملہ پر یہ سوال ہے کہ قرآن کریم میں یہ فرمایا گیا ولیحملن اثقالھم واثقالاً مع اثقالھم یعنی سرداران کفار اپنا بھی بوجھ اٹھائیں گے اور اپنے متبعین کا بھی۔ حدیث پاک میں ہے، کہ جس نے بُری سنت یعنی بُرا طریقہ ایجاد کیا، تو اس پر اپنا بھی گناہ ہے اور باقی عمل کرنے والوں کا بھی اب غور طلب بات یہ ہے، کہ اس آیت سے معلوم ہوا، کہ اپنے عمل اپنے ہی کام آئیں گے۔ حدیث نے فرمایا۔ کہ دوسرے بھی فائدہ اٹھائیں گے۔ پہلے سوال کا جواب چند طرح ہے، اول یہ کہ یہ لام ملکیت کا ہے یعنی انسان مالک اپنے ہی اعمال کا ہے، اولاد وغیرہ کے ہدیۂ ثواب کی امید پر آپ اعمال نہ کرنا سخت غلطی ہے ؎

بعد مرنے کے تمہیں اپنا پرایا بھول جائے ؎ فاتحہ کو قبر پر پھر کوئی آئے یا نہ آئے

یہ ہی مطلب ہے لیس للانسان الا ما سعیٰ کا۔ دوسرے یہ کہ یہ آیت کریمہ ادائے فرائض بدنی کے لئے ہے۔ یعنی اگر کوئی بدنی عبادت جیسے نماز و روزہ کسی کی طرف سے ادا کرے، تو اس کا فرض ساقط نہ ہوگا۔ رہے عبادات مالیہ، اس میں وکیل بنانا جائز، جیسے ادائے زکوٰۃ، اور عبادت بدنیہ مالیہ کا مجموعہ اس میں

عذر کے وقت دوسرے کو وکیل کرنا جائز ہے. بلا عذر نہیں، جیسے حج بدل کہ بعد موت یا بڑھاپے میں. دوسرے کو اپنی طرف سے حج کے لئے بھیج سکتے ہیں. تیسرے یہ کہ ایسا نہ ہوگا. کہ فاعل بالکل ہی ثواب سے محروم ہو جائے. اس کو ضرور ملے گا ہدیۂ ثواب سے خود محروم نہیں ہوگا. اسی لئے بچوں کا ہدیہ قبول کرنا منع، مگر ہدیۂ ثواب ختم وغیرہ لینا جائز، کہ اس میں بچہ کا نقصان نہیں. شامی جلد اوّل میں ہے کہ صدقہ یا ختم کا ثواب سب مسلمانوں کو بخشے، کیونکہ اس سے ثواب تقسیم نہیں ہوتا، بلکہ پورا پورا ملتا ہے. بغیر ان توجیہوں کے تطبیق ناممکن ہے. لفظ کسبت میں اشارہ اعمال بدنیہ کی طرف ہے، کیونکہ بدنی عبادت کو کسب کہا جاتا ہے نہ کہ مالی کو. دوسرے اعتراض کا جواب یہ ہے، کہ کوئی نفس دوسرے نفس کا اس طرح بوجھ نہ اٹھاوے گا کہ وہ دوسرا بالکل ہلکا ہو جاوے. بلکہ مجرم پہ اپنے جرم کا بوجھ ضرور ہوگا. گناہ کرنے والے پر اپنے فعل کا بوجھ بھی ہوگا. اور دوسروں کا بھی، کیونکہ یہ سردار ہے. جس کی تفسیر یہ آیت کر رہی ہے فما اغنت عنہم الھتہم التی یدعون من دون اللہ من شئ. دوسری جگہ ارشاد ہے لا تزر وازرۃ وزر اخریٰ. غرضکہ بوجھ اٹھانا اور چیز ہے، اور گناہ لینا اور بات. سردار بوجھ لے گا نہ کہ گناہ. حدیث پاک میں ہے، کہ جو کوئی ظلماً قتل کرتا ہے، اس میں قابیل کا حصہ بھی ہوتا ہے. کہ وہ پہلا قاتل ہے، قتل اسی نے ایجاد کیا ؛

نیز یہ کہا جا سکتا ہے، کہ ایجادِ شر کا گناہ سب کی برابر ہوتا ہے. مگر موجد کو اپنے فعل کا گناہ ہوگا، نہ کہ دوسروں کا، ہاں یہ آتا ہے کہ قرضخواہ مقروض کی نیکیاں لے گا، اور غیبت کرنے والا دوسرے کے گناہ لے گا. اس سے کوئی اعتراض نہیں، کہ یہ تو معاملہ ہے عمل، تو فاعل نے کئے تھے، وہ ہی مالک تھا، اس نے

اپنے آپ دوسرے کو دے دیئے۔ اگر کوئی چیز میں کماؤں تو وہ میری ہے۔ مگر جب کسی کو دے دوں، تو اُس کی ہو گئی۔ کسی کا قرض میں اپنے ذمہ لے لوں، مجھ پر میری خوشی سے آگیا، غیبت میں اپنی خوشی سے دوسرے کے گناہ مٹ جاتے ہیں ۰

اگر یہ آیت بالکل ظاہری معنے پر رکھی جاوے، تو دنیا میں بھی کوئی کسی کی چیز کا مالک نہ ہو، اور کوئی کسی کا بوجھ نہ اٹھائے۔ مگر مالک ہوتا ہے بذریعہ میراث و بیع وہبہ وغیرہ، اور ضمانت و کفالت و شرکت وغیرہ سے دوسرے کا بوجھ بھی اٹھا لیتا ہے۔ آیت میں دنیا یا کہ آخرت کی تو قید نہیں۔ لہٰذا آیت کا وہ ہی مطلب ہے جو ہم نے عرض کیا۔ ربنا لا تواخذنا میں بندوں کو دعا مانگنے کی تعلیم ہے۔ یا تو یہاں اور دیگر دعاؤں میں قولوا پوشیدہ ہے۔ یا رب نے یہ کلمات فرمائے کہ بندے ان کو سُن کر ایسے ہی کہیں جیسے تعلیم کے وقت استاذ کہتا ہے الف بے تے، اس لئے کہ شاگرد بھی اسی طرح کہے، یا الفاظ بندوں کے ہیں اور کلام رب نے فرمایا۔ جیسے کسی انجمن کے ممبری فارم صدر لکھتا ہے۔ کہ میں اس انجمن کا خیر خواہ رہوں گا، ماہوار چندہ ادا کرتا رہوں گا۔ جب کوئی ممبر بنتا ہے، تو اس کاغذ پہ دستخط کر دیتا ہے۔ یہ کلام تو ممبر کا ہے مگر قلم صدر کا، اس گفتگو سے آریہ کا یہ سوال اُٹھ گیا کہ ایاك نعبد وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے، کہ قرآن کسی بندے کا بنایا ہوا ہے، ورنہ خدا کس کی عبادت کرتا ہے۔ اور کس سے دعا مانگتا ہے دفع ہو گیا، کیونکہ ایسی آیتوں میں بندوں سے یہ باتیں کہلوانا منظور ہیں۔ قربان جاؤں اُس مہربان رب کے، جو خود ہی ہمیں مانگنا سکھاتا ہے، اور خود ہی نعمتیں دیتا ہے، خود ہی عرضی دینے کی ترکیب تعلیم فرماتا ہے۔ اور پھر خود ہی قبول فرماتا ہے۔ ہم کو تو مانگنا بھی نہیں آتا۔ مانگنے کے لئے بھی منہ چاہیئے ۰

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ

اِس آیت کریمہ میں چند امور قابلِ غور ہیں :-
ایک یہ کہ اِس آیت سے مقصود کیا ہے ، دوسرے یہ کہ قل سے کیا فائدہ حاصل ہوا ، تیسرے بشر کے کیا معنے ہیں ، چوتھے مثلکم سے کیا مراد ہے ؟ پانچویں یوحیٰ الیّ میں کیا حکمت ہے ؟

(۱) انسان نے زمین و آسمان کو ناپا ، مگر اپنے کو ناپ نہ سکا . تمام چیزوں کی حقیقت معلوم کرنے کے پیچھے پڑا . مگر اپنی حقیقت سے غافل رہا . اگر اپنے کو پہچانتا تو رب کو بھی پہچان لیتا من عرف نفسہ فقد عرف ربہ . مذاہب باطلہ بھی یہ نہ بتا سکے ، کہ اے انسان تیری حقیقت کیا ہے ؟ کسی مذہب نے انسان کو اتنا حقیر بتایا ، کہ اونے سے ادنےٰ چیز سے آپ کو کمتر جانا ، اور درختوں اور جانوروں اور پتھروں کے آگے سر جھکایا ، کسی نے انسان کو اتنا بڑھایا کہ خدا کا انکار کیا خود ہی خدا بن بیٹھا . آسمانی مذہبوں کو بھی عقل کے اندھوں نے مسخ کیا ، کہ انبیائے کرام کو خدا یا خدا کا بیٹا یا خدا کا شریک مان بیٹھے . بعض احمقوں نے انبیاء کو اپنے جیسا مجبور بشر مان لیا ، پہلوں نے افراط کی اور پچھلوں نے تفریط اسلام ان دونوں عیبوں سے پاک ہے ، اسلام کا منشاء ہے کہ نہ تو انسان اپنی حد سے تجاوز کرے ، نہ حضراتِ انبیاء کی شان میں افراط و تفریط سے کام لے ؛

حضرتِ مسیح علیہ السلام کے چند معجزات دیکھ کر لوگوں نے انہیں ابن اللہ کہدیا ، اسی طرح حضرت عزیز علیہ السلام کے معجزات دیکھ کر ان کو یہودیوں نے ابن اللہ کہا ، تو دیکھنے والوں نے قدرتِ مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ نظارہ کیا ، کہ اشارے سے چاند چرا ، ڈوبا ہوا سورج لوٹا ، درختوں اور جانوروں نے سجدہ کیا . نام کی برکت سے مُردے زندہ ہوئے . تو قوی اندیشہ تھا کہ نادان

لوگ کہیں اس ذاتِ کریم میں بھی الوہیت یا الوہیت کا حصہ نہ مان بیٹھیں، اسی مقصد کے لئے بانیٔ اسلام علیہ السلام نے اپنی ہر ہر ادا سے اپنی عبدیت کا اظہار فرمایا، اور اس آیت میں اپنی بشریت کا اعلان کیا۔ کلمہ میں عبدہٗ ورسولہٗ پڑھایا، کہ انسان معجزات دیکھ کر انہیں خدا نہ کہے ؛

(۲) لفظ قل سے معلوم ہوتا ہے، کہ بشرٌ مثلکم کے فرمانے کی حضور ہی کو اجازت ہے نہ کہ ہر ایک کو، اسی لئے قولوا بشرٌ مثلنا نہ فرمایا گیا۔ اگر قل ھو اللّٰہ احد میں قل ہے، تو اس قل سے اللّٰہ احد کہنے کا حضور ہی کو حکم ہے، اور حضور کے فرمانے سے اور لوگ اللّٰہ احد کہیں، اگر رسالت کی بتائی ہوئی توحید کے مقابلے میں کوئی اپنی عقلی توحید مانے، تو غیر معتبر۔ نیز قرآن میں دوسری جگہ عام مسلمانوں کو توحید کا حکم دیا گیا، مگر قرآن میں کسی جگہ نبی کو بشر کہنے کی عام اجازت نہیں دی گئی۔ بلکہ بشر کہنا مقولہ کفار فرمایا گیا قالوا ابشر یھدوننا فکفروا۔ وما انتم الا بشر مثلنا وغیرہ ولئن اطعتم بشرًا مثلکم انکم اذاً لخٰسرون ○ مولانا فرماتے ہیں ؎

کارِ پاکاں را قیاس از خود مگیر ؛ گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر
شیر آں باشد کہ مردم را درد ؛ شیر آں باشد کہ مردم می خورد
گر نہ فرزندِ بلیسی اے عنید ؛ پس ترا میراث آں سگ چوں رسید
اشقیا را دیدۂ بینا نہ بود ؛ نیک و بد در چشمِ شاں یکساں نمود
ہمسری با اولیاء بر داشتند ؛ انبیاء را ہمچوں خود پنداشتند
گفت اینک ما بشر ایشاں بشر ؛ ما و ایشاں بستۂ خوابیم و خور
ایں ندانستند ایشاں از عمیٰ ؛ ہست فرقے درمیاں بے انتہا
ہر دو گوں آہو گیا خوردند و آب ؛ زاں یکے سرگیں شد و زاں مشکِ ناب

ہر دو یک گل خورد زنبور ونحل ⁂ لیک زاں شد نیش وزاں دیگر عسل
ایں خورد گردد پلیدی زیں جدا ⁂ واں خورد گردد ہمہ نورِ خدا

نیز جس کو خاص صفات مرحمت ہوئے ہوں، اُس کو صفتِ عامہ سے پکارنا اُس کی صفات کے انکار کرنے کے معنے میں ہے، خان بہادر، نواب صاحب، کلکٹر صاحب وغیرہ جس کو حکومت کہے۔ اگر اُس کو انسان یا بشر یا نام لے کر پکارا جاوے تو وہ مستحقِ سزا ہے۔ تو جس ذاتِ کریمہ کو حکومتِ ربانی کی طرف سے نبی، رسول، مزمل و مدثر کے خطاب ملیں، اُن کو عام القاب سے یاد کرنا یقیناً جرم ہے۔ رب تعالےٰ نے تو پکارے یا ایہا النبی، یا ایہا الرسول، اور ہم کو فرمائے لا تجعلوا دعاء الرسول کدعاء بعضکم الآیہ تو بشر کہنا حرام ہے ⁂

(۳۱) انا بشر مثلکم میں کلمہ بشر ارشاد فرمایا گیا، نہ انسان یا آدمی وغیرہ اس لئے کہ بشر کے معنے ہیں ذو بشرہ جیسے حسنؔ کے معنے ہیں ذو حُسن، تو معنے یہ ہوئے، کہ مَیں ظاہری رنگ وروپ و چہرہ مہرہ میں تم جیسا ہوں مگر حقیقت یہ ہے کہ یوحیٰ الیّ مَیں صاحبِ وحی ہوں۔ اگر انسان فرمایا جاتا، تو انسان کہتے ہیں جسم ونفس کے مجموعہ کو، حالانکہ نفوسِ انبیاء ہماری نفوس کی طرح نہیں۔ اور ظاہر بین نگاہ میں، ظاہری چہرہ مہرہ میں مشابہت سی معلوم ہوتی ہے۔ ورنہ اُن کی بشریت ملکیت سے قوی تر ہے ⁂

معراج میں سدرہ پر روح الامین کی ملکی طاقت ختم ہو چکی۔ مگر ان کی بشری طاقت اُن سے کہیں زیادہ۔ حضرت موسےٰ علیہ السلام نے حضرت ملک الموت کو تھپڑ مار دی، تو اُن کی ملکی طاقت اس بشری طاقت کے تھپڑ کی تاب نہ لاسکی، اور آنکھ جاتی رہی۔ معلوم ہوا کہ انبیاء کی بشریت فرشتوں کی ملکیت سے اعلےٰ ہے۔ یہاں فرمایا گیا مثلکم، اور حدیث میں ہے ایکم مثلی یطعمنی ربی و

یستفیض (دیکھو نورالانوار بحث صوم وصال)۔ کہیں فرماتے ہیں ولکنی لست کاحدٍ منکم، تو ظاہر عبارت قرآن کی اُس کے مخالف معلوم ہوتی ہے۔ لیکن یہاں تشبیہ صرف خالص بشریت میں ہے۔ یعنی جس طرح تم خالص بشر ہو، اور تم میں الوہیت کا شائبہ بھی نہیں، اسی طرح میں نہ خدا ہوں، نہ خدا کا بیٹا، بلکہ خالص اور محض بندہ ہوں۔ اب اس کا مطلب یہ نہیں کہ تمام امور میں ہم تم جیسے ہیں، جیسے کوئی شخص کہے کہ زید مثل شیر کے ہے یعنی صرف طاقت میں، نہ یہ کہ زید جنگل میں رہتا ہے، اور دُم بھی رکھتا ہے ؏

(۴) مثلکم پہ آیت پوری نہیں ہوتی، بلکہ اللہ واحد پر وقف ہے۔ بشر کے لئے یوحیٰ الیّ کی صفت مثل فصل کے ہے، اور بشر مثلکم مثل جنس کے اگر کوئی کہے، کہ زید بیل گھوڑے کی طرح حیوان ہے، مگر ناطق ہے، تو جیسے ناطق کی قید نے زید اور دیگر حیوانات میں ذاتی فرق کر دیا۔ اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ، یوحیٰ الیّ کی صفت نے نبی اور اُمتی میں فرق کر دیا۔ اس وصف سے آنکھ بند کرنا، اور بشر مثلکم ہی کہے جانا ایسا ہے، جیسے لاتقربوا الصلوٰۃ پڑھے۔ اور وانتم سکٰریٰ چھوڑ دے، اور کہے کہ نماز سے دُور رہو ؏

(۵) دیکھنا یہ ہے کہ کیا شرعاً سیدالانبیاء صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم ہماری طرح بشر ہیں یا نہیں۔ تحقیق سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ نہیں، ایمانیات میں فرق ہے، اعمال میں فرق ہے، اختیارات میں فرق ہے۔ احکام میں فرق ہے۔ غرض کہ ہر ہر وصف میں فرق عظیم موجود ہے۔ ایمانیات میں تو کھلا فرق ہمارا کلمہ ہے لا الٰہ الا اللہ۔ محمد رسول اللہ۔ اُن کا کلمہ انیّ رسول اللہ۔ اور تمام ایمانی فرق دیکھو ہماری تقریر اٰمن الرسول بما انزل الیہ میں۔ صفحہ ۱۰۳ پر ایمان تصدیق کا نام ہے، اور تصدیق علم حصولی کی قسم ہے۔ حضور کو اپنی نبوت کا

علم حضوری ہے، لہٰذا حقیقت ایمان میں بھی فرق ہے۔

اعمال میں اس طرح فرق، کہ ہم پہ چار فرض ہیں، روزہ، نماز، حج، زکوٰۃ، حضور علیہ السلام پر تین یعنی زکوٰۃ فرض نہیں (دیکھو شامی کتاب الزکوٰۃ) ہم پہ پانچ نمازیں فرض، حضور پر چھ یعنی تہجد بھی ومن اللیل فتہجد بہ نافلۃ لک۔ ہم لوگ زکوٰۃ کھا سکیں، حضور اس سے محفوظ، ہم ہر وقت گناہ کریں، وہ گناہ سے معصوم۔ لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک میں ذنب سے مراد ذریۃ بھی لی گئی ہے۔ معنے آیت کے یہ ہوئے، کہ اللہ آپ کی برکت سے آپ کی اگلی پچھلی ذریت کے گناہ بخشے۔ ذنب کے لغوی معنے تابع کے ہیں۔ دیکھو روح البیان جلد دوم صفحہ، آیت کداب اٰل فرعون والذین من قبلہم وکذبوا باٰیٰتنا گناہ کو ذنب اس لئے کہتے ہیں، کہ اس کا بدلہ بعد میں آتا ہے۔ دُم کو بھی ذنب اس لئے کہتے ہیں، کہ وہ جسم کے تابع اور لازم ہوتی ہے۔ ذنوب بڑے ڈول کو اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ آگے پیچھے کنوئیں سے نکلتے ہیں۔ یا یہاں ذنب بمعنی خطا ہے، اسی طرح ہم کو چار بیبیاں حلال ہیں، حضور جس قدر چاہیں، تودی الیک من تشاء اسی آیت نے لا یحل لک النساء من بعد کو منسوخ کیا، ہماری بیبیاں ہماری موت کے بعد جس سے چاہیں نکاح کریں، مگر انبیاء کی ازواج مسلمانوں کی مائیں ہیں۔ ہمارا مال بعد موت میراث ہے۔ مگر وہ ہمیشہ حیات حقیقی رکھتے ہیں، اس لئے اُن کی میراث نہیں۔ ہم قانون کے پابند۔ مگر قانون الٰہی اُن کے جنبشِ لب کا منتظر، کہ وہ مالکِ احکام ہیں۔ اس کی بے شمار دلائل موجود ہیں۔ وہ جس کے لئے بی بی چاہیں حرام فرما دیں، اور جو چاہیں حلال۔ حضرت زینب کو باوجود کفو نہ ہونے کے زید ابن حارث کے نکاح میں دے دیا۔ اور حضرت شیرِ خدا کے لئے خاتونِ جنت کی موجودگی میں دوسری عورت حرام فرما دی۔ حالانکہ رب تعالیٰ

فرماتاہے فانکحوا ماطاب لکم من النساء مثنٰی و ثلٰث و ربٰع۔ اتنے فرق ہوتے ہوئے کوئی بےسمجھ ہی کہے گا کہ حضور ہم جیسے ہیں۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمتہ نے مدارج النبوۃ میں ایک فصل قائم کیا، ان آیات کے بارے میں جن سے عظمتِ انبیاء کے خلاف وہم ہوتا ہے، اس میں فرمایا، کہ ایسی آیات متشابہات کی طرح ہیں، جیسے قرآن کریم میں فثم وجهه الله۔ الله فرمایا گیا، مگر خدا کے لئے منہ اور ہاتھ ثابت نہیں کیا جاتا۔ اس کے معنے وہ ہیں جو اللہ جانے یا اس کا رسول، اسی طرح بشر مثلکم اور لذنبك وغیرہ پر ایمان لاؤ۔ اس کے معنے اللہ اور رسول کے سپرد کرو۔ یہ طریقہ بہت ہی بہتر ہے ؎

(۶) یہ بھی سمجھنا ضروری ہے، کہ حضور کا مثل ممتنع بالذات ہے، جیسے خدا کا مثل غیر ممکن عالم میں ہم تو کیا کوئی بھی حضور کی طرح نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ قرآن کریم نے حضور کے لئے فرمایا رحمۃ للعٰلمین جس کا خدا رب ہے اس کے لئے حضور رحمت۔ اب اگر حضور کا مثل فرض کیا جاوے، تو وہ بھی عالم میں سے ہو گا۔ لہٰذا حضور اس کے لئے رحمت ہیں۔ اور وہ مرحوم مشابہت ختم ہو گئی۔ قرآن کریم نے فرمایا خاتم النبیین۔ حضور نے فرمایا انا سید ولد اٰدم۔ تو اگر حضور کا مثل ہو، تو وہ بھی اولاد آدم ہی ہو گا۔ اور نبی ہو گا۔ اگر حضور اس کے سردار نہ ہوں۔ تو نقیض یعنی سالبہ جزئیہ صادق آگئی۔ اسی آیت اور حدیث کا موجبۂ کلیہ باطل ہوا نیز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام آخری نبی اور آخری کتاب والے ہیں، پہلے شفیع ہیں۔ اول حضور کا نور پیدا ہوا، اول آپ ہی کی قبر شریف قیامت میں شق ہو گی، اول آپ ہی جنّت میں جاویں گے، اور سب سے اول و آخر ایک ہی ہو سکتا ہے۔ ابتداء حقیقی اور انتہاء حقیقی ایک پہ ہی ہو سکتی ہے۔ دیکھو امتناع النظیر مولانا خیر آبادی و شرح تہذیب یزدی اور دیکھو ہماری تفسیر نعیمی پہلا پارہ۔ نیز

اس آیت میں قصر موصوف علے الصفتہ ہے۔ اور قصر حقیقی تو محال ہے، دیکھو مختصر معانی بحث قصر، لہٰذا اضافت صافی ثابت، یعنی میں تم جیسا بشر ہی ہوں اس کا مطلب یہ نہیں، کہ سوائے بشریت اور کچھ بھی وصف نہیں رکھتا، نہ تو قائم نہ لاقائم، نہ قاعد، نہ لاقاعد، کیونکہ ارتفاع نقیضین محال ہے، تو معنے یہ ہوئے کہ میں بشر ہی ہوں، نہ خدا، نہ جزو خدا، نہ ابن خدا، اس میں کوئی کلام نہیں ؎

حق ہے کہ ہیں عبد الٰہ اور عالم امکاں کے شاہ
برزخ ہیں وہ سر خدا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

یہ بھی خیال رہے، کہ یہاں قل فرمایا گیا، یعنی اے محبوب بطور انکسار آپ یہ فرمادو، نہ ہم آپ کو بشر کہکر پکاریں گے، نہ کسی اور کو اس کی اجازت دیں گے، ہم تو یاایہاالنبی: یاایہاالرسول: یاایہاالمزمل: یاایہاالمدثر کہکر پکاریں گے، اور لوگوں کو حکم دیں گے لاتجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضاً رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایسے نہ پکارو، جیسے ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔ اسی لئے فاطمہ زہرا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ابّا جان کہکر نہیں پکارتیں۔ عائشہ صدیقہ شوہر کہکر، علی بھائی کہکر، حضرت عباس بھتیجہ کہکر نہیں پکارتے تھے بلکہ سب حضرات یارسول اللہ، یاحبیب اللہ، یاشفیع المذنبین، یارحمۃ للعٰلمین کہکر پیارے خطاب سے ندا کرتے تھے، جب یہ حضرات جنہیں نسبی رشتے سے ایسے خطابات سے پکارنے کا حق ہو سکتا تھا، وہ ایسے الفاظ سے نہیں پکارتے تو ہم غلاموں کمینوں کو بھائی سے خطاب کرنے کا کیا حق ہے؟ خیال رہے، کہ قل میں خطاب کفار سے ہے، یعنی فرمادو اے محبوب (صلے اللہ علیہ وسلم) کہ اے کافرو! تم مجھ سے بھاگو نہیں، میں فرشتہ یا جنّ یا خدا نہیں ہوں، بلکہ تمہاری ہم جنس بشر ہوں۔ صدیق اکبر سے فرمایا ایکم مثلی تم میں ہم جیسا کون ہے؟ اجنبی

لوگوں کو مائل کرنے کے لئے اُن سے اور طرح کلام ہے، اور واقفکار لوگوں سے دوسری طرح؛

مثنوی شریف میں ہے۔ کہ کسی نے مینا پالی۔ ہر طرح کوشش کی، مینا بولنا سیکھے، مگر اُسے کامیابی نہ ہوئی۔ اُس کے ایک دوست نے کہا، کہ اگر تو اسے بولی سکھانا چاہتا ہے، تو ایک قدآدم آئینہ لا، آئینہ کے سامنے مینا کا پنجرا لٹکا اور پیچھے سے خود بول، مینا بہت جلد بول چال سیکھ لے گی، چنانچہ اُس نے ایسا ہی کیا اب تو مینا خوب بولنے لگی۔ مینا والا حیران ہوگیا۔ اُس دوست سے اس کی حکمت دریافت کی، اُس نے کہا، تو مینا کا غیر جنس تھا، تجھ سے وہ گھبراتی تھی، اب جو اُس کا پنجرا آئینہ کے سامنے آیا، وہ سمجھی کہ اس آئینہ میں میرا ہم جنس ہے اور مجھ سے بول رہا ہے، اُس جنسی مناسبت کی وجہ سے جلد بولنا سیکھ گئی؛

مولانا فرماتے ہیں کہ رب اور بندے میں افاضہ استفاضہ کا سلسلہ قائم نہیں ہوسکتا تھا، آئینۂ جمالِ مصطفائی خالق و مخلوق کے درمیان رکھا گیا، اور اس آئینہ کے پیچھے سے قدرت نے کلام کیا، زبان مصطفٰے کی کلام خالق مصطفٰے کا، وما ینطق عن الھوٰی ؛ ان ھو الا وحی یوحیٰ، اور محبوب کو حکم دیا کہ اِن اجنبیوں سے فرمادو انما انا بشر مثلکم تم مجھ سے بھاگو مت، دیکھو میں تم جیسا بشر ہی تو ہوں۔ تاکہ تم سے مانوس ہو کر فیض الٰہی قبول کریں۔ فرماتے ہیں ؎

گفت من آئینہ مصقول دوست ✤ ترکی و ہندی بہ بیند آنچہ اوست

اعلیحضرت نے خوب فرمایا ؎

خود رہے پردہ میں اور آئینہ حسن خاص کا
بھیج کر انجانوں سے کی راہ داری واہ وا

اب حضور نے فرمایا لا الٰہ الا اللہ لوگوں نے کہا لا الٰہ الا اللہ ؎

لباس آدمی پہنا جہاں نے آدمی جانا
مزمل بن کے آئے تھے تجلی بن کے نکلیں گے
جب مانوس ہو گئے، تب فرمایا ایکم مثلی، اس حکمت سے اعلانِ بشریت فرمایا، ورنہ اتنی ظاہر بات پر اس قدر زور دینے کی کیا وجہ تھی۔ رب تعالیٰ چشم بینا عطا فرما دے۔ آمین ؎

۹۲ - ۶۸۲

اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَ الْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ۝

گذشتہ آیت میں فرمایا گیا ہے، کہ بہشت اور اس کی نعمتیں متقیوں کے لئے ہیں، قرآن کریم میں متقی لوگوں کے بڑے بڑے مرتبے بیان ہوئے۔ کہیں ارشاد ہے ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجاً ویرزقہ من حیث لا یحتسب، کہیں فرمایا الذین اٰمنوا کانوا یتقون جس سے معلوم ہوا، کہ متقی مومن ولی اللہ ہے یہاں فرمایا گیا، کہ متقی ہیں کون لوگ اور تقویٰ کسے کہتے ہیں ؎

یہاں چند امور قابلِ غور ہیں۔ ایک یہ کہ تقوے کے کتنے مرتبے ہیں، پھر یہ کس تقوے کا ذکر ہے، دوم یہ کہ یہاں آٹھ باتیں بیان فرمائیں، ایک ان کا قول کہ ایمان لائے ہم، بخش گناہوں کو، بچا آگ کے عذاب سے، صبر کرنا، سچ بولنا اطاعت کرنا، خیرات کرنا، صبح اٹھ کر دعائے مغفرت کرنا۔

(۱) تقوے کے لغوی معنے ہیں بچنا یا ڈرنا، اصطلاحِ شریعت میں ہلاکتِ آخرت سے بچنا۔ تقوے ہے، اس کے کل چار درجے ہیں، اولاً شرک وکفر سے بچنا، یہ پہلا درجہ ہے، جسے تقوائے عامہ کہتے ہیں۔ دوسرے حرام چیزوں سے بچنا۔

تیسرے شبہ کی چیزوں سے بچنا، یعنی جس میں حرام ہونے کا شبہ ہو، اُس سے پرہیز کرنا، اتقوا الشبہات، اگر کوئی کہے کہ محفلِ میلاد شریف میں شبہ ہے کہ حرام ہے یا جائز کیونکہ بعض علماء ناجائز کہتے ہیں، تو یہ وہم بلا دلیل ہے، اُن کے لئے سیدنا عبداللہ ابن سلام کا اونٹ کے گوشت اور دُودھ سے بچنا، اور اس پر اس آیت کا نازل ہونا کافی جواب ہے۔ کہ یاایہاالذین اٰمنوا ادخلوا فی السلم کافہ سیدنا عبداللہ پہلے یہودی تھے، اور اونٹ کا گوشت حرام جانتے تھے، اسلام لاکر اونٹ کے گوشت سے بچتے رہے۔ کہ یہود اسے حرام کہتے ہیں۔ اسلام میں اس کا کھانا فرض نہیں۔ لہٰذا میں نہیں کھاتا۔ رب تعالےٰ نے فرمایا، اے ایمان والو اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ، شیطانی خیالات نہ مانو، چوتھے ماسوی اللہ سے بچنا، یہ صوفیائے کرام اور اولیاء اللہ کا تقوےٰ ہے ؛

(۲) یہاں دوسرے درجہ کے متقیوں کا تذکرہ ہے، کیونکہ ایمان کے ساتھ اعمال کا بھی ذکر ہے، بغیر عذاب جنّت کا استحقاق اسی تقوےٰ سے ہوتا ہے، درجہ اوّل کے تقوےٰ یعنی ایمان کے بغیر تو جنّت حرام ہے، دوسرے تقوےٰ یعنی پرہیزگاری کے بغیر ممکن ہے کہ جہنم میں کچھ مدت کے لئے جانا پڑے، مگر تیسرے اور چوتھے درجہ والوں کے بڑے مراتب اور فضائل ہیں۔ جنّت کے سوا اور بڑے درجات پائیں گے، یہاں صرف استحقاقِ جنّت کا ذکر ہے جو دوسرے طبقہ والوں کے لئے ہے ؛

(۳) یقولون پر سوال ہے، کہ رب کو تو اُن کے ایمان کا علم ہے، پھر یہ لوگ اٰمنّا کہکر اپنے ایمان کی خبر کیوں دے رہے ہیں۔ اِس قول میں تین فائدے ہیں: ایک یہ کہ اپنا استحقاقِ مغفرت عرض کرنا مقصود ہے۔ ربّنا کہکر عرض کیا، کہ تو ہمارا پالنے والا ہے، اور ہر مصیبت میں اپنے مربّی کو پکارتے ہیں، اٰمنّا کہہ کر

عرض کیا کہ ہم دفا اور رعایا ہیں، خطاؤں کی معافی کے حقدار ہیں، جس کا تُو نے اپنے کرم سے وعدہ فرمالیا ہے۔ دوسرے یہ کہ اعمال صالح کی برکت سے دعا کرنا، اسی طرح بزرگوں کے طفیل سے دعا مانگنا مسنون ہے۔ اس میں بھی ایمان کی برکت سے دعا ہے، جیسا کہ روایت بخاری میں ہے، کہ تین شخص ایک پہاڑ کے غار میں پھنس گئے، تو ایک نے اپنی والدہ کی خدمت اور دوسرے نے زنا سے بروقت بچ جانے اور اشرفیاں وہاں ہی چھوڑ دینے کی برکت سے، اور تیسرے نے مزدور کی مزدوری میں بکریاں اور جانور اور غلّہ کے انبار دینے کی برکت سے دعا مانگی، اور نجات پائی تیسرے یہ کہ بعض اعمال صالح تو چھپا کر کرنے چاہئیں، جیسے اکثر نوافل اور بعض نیکیاں ظاہر کرنا ضروری ہیں۔ اسی لئے ایمان کو اپنی صورت، لباس اور ہر ادا سے ظاہر کرو، پنجگانہ نماز اور عید اور جمعہ سب کے ساتھ جماعت سے پڑھو، مشہور گناہ کی توبہ بھی مشہور طریقہ سے کرو۔ کہ اَلتوبة علیٰ قدر الحوبة، بعض نوافل مسجد میں پڑھو، جیسے تحیۃ الوضوء اور اشراق اور تحیۃ المسجد، باقی گھر میں، غرضکہ ایمان کا ظاہر کرنا ضروری ہے، اسی لئے فرمایا یقولون یعنی اپنے ایمان کو وسیلہ بنا کر بارگاہِ الٰہی میں پیش کرتے ہیں ؛

(۴) گناہوں سے مغفرت مانگنا اور اپنے کو گنہگار سمجھنا بھی تقویٰ کی علامت ہے۔ عذاب نار اس لئے کہا گیا کہ جہنّم میں اگرچہ ٹھنڈے طبقے بھی ہیں، مگر اصل آگ ہے باقی تابع۔ صبر کے معنے ہیں نفس کو روکنا۔ اس کی تین قسمیں ہیں:- طاعت الٰہی پر روکنا، معصیت سے روکنا، مصیبت کے وقت بے صبری سے روکنا، طاعت پر روکنے کے یہ معنے ہیں، کہ ہمیشہ استقامت سے اطاعت کرنا، یہ نہیں کہ کچھ روز کی، پھر چھوڑ دی، یا جس وقت وضو اور نماز گراں معلوم ہو، اُس وقت چھوڑ دے، پھر پڑھے، یہ نہ چاہیئے۔ بلکہ ہر حال میں نیکیاں کرے

معصیت پر صبر یہ ہے، کہ اگر کسی گناہ، سینما یا رشوت، سُود اور بیع محرمہ کی طرف دل متوجہ ہو، اُس سے نفس کو روکے، یہ بھی علامات متقی ہیں. کہ ان پر استقامت متقی ہی کر سکتا ہے ؞

(۵) صادقین کی بھی تین صورتیں ہیں. صدق فی القول یعنی بات کی سچائی، صدق فی الفعل، صدق فی النیت یعنی نیت و عمل سچے. صدق فی القول یہ ہے، کہ جو کسی سے وعدہ کیا جاوے پورا ہو، خبر دی جاوے، تو سچی ہو. کہ منافق کی تین علامات ہیں: جب لڑے تو گالیاں بکے، بات کہے تو جھوٹ بولے، امین بنے تو خیانت کرے، اور کام سچا ہونا یہ کہ جو کام شروع کرے اُس کو پورا کرے. اور نیت خیر کرے، قرآن اور تقوےٰ کو دامِ تزویر نہ بنا دے، حافظ صاحب رح فرماتے ہیں ؎

حافظا مے خور و رندی کُن و خوش باش و لے
دامِ تزویر مکن چوں دگراں قرآں را

دگراں ایک پرندہ ہے جس کے پروں پر قدرتی خطوط ہیں جو قرآن معلوم ہوتے ہیں، وہ مُردہ بن کر زبان نکال کر پڑ جاتا ہے. جب چیونٹیاں اس کی زبان پر جمع ہو جاتی ہیں، تو وہ چپکے سے کھا جاتا ہے، شاعر کہتا ہے اے حافظ اور گناہ آسان ہیں، مگر قرآن کو حیلہ و فریب کے لئے پڑھنا سخت گناہ ہے. چند مقامات میں کذب پر پکڑ نہیں. ایک تو خطرۂ جان کے وقت اظہار کلمۂ کفر، دوسرے مسلمانوں میں صلح کرانے کے لئے وغیرہ دیکھو شامی جلد ۵ کتاب الکراہیۃ. صدق فی الارادہ یہ ہے کہ جو نیک کام ہو وہ خالصاً لوجہ اللہ ہو اِنَّمَا الاعمال بالنیات. دنیا کا کام سونا، تجارت کرنا، بچوں کو پالنا، نوکری کرنا، اگر نیت خیر یعنی سوال سے بچنے کے لئے ہو تو ثواب، اگر نماز بھی ریا وغیرہ کے لئے ہو تو ثواب سے محرومی ہے. ہر کام

نیت خیر سے کرنا چاہیئے ، نماز فجر کی نیت سے رات کو سونا بھی عبادت ہے ؀

(۶) القٰنتین والمنفقین میں بہت وسعت ہے۔ قانتین میں ہر قسم کی اطاعت آگئی ، جانی ہو یا بدنی یا مالی ، چاہیئے کہ انسان اپنے کو بالکل شریعت کے ہاتھ میں رکھے ؎

جہاں کر دیا نرم نرما گئے وہ ؀ جہاں کر دیا گرم گرما گئے وہ

ایسے ہی منفقین میں بھی وسعت ہے ، جان کا جہاد میں خرچ کرنا ، مال کا زکوٰۃ وغیرہ میں ، یا بچوں کے پالنے میں ، یا والدین کی خدمت میں خرچ کرنا سب انفاق ہے۔ صحابہ کرام کی مائیں اپنے بچوں کو اسی نیت سے پالتی تھیں ، کہ یہ کبھی اسلام کے کام آویں گے۔ دیکھو واقعہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور اُس بوڑھی کا جو اُحد میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دامن میں لپٹ کر روئی۔ حالانکہ اُس کا شوہر اور فرزند سب شہید ہو گئے ، مگر کسی کی پرواہ نہ کی ، اور بولی کہ یا رسول اللہ میں نے آپ کو پالیا تو سب کچھ پالیا ، میں نے بچوں کو اسی لئے پالا تھا ؀

(۷) والمستغفرین بالاسحار سے مراد یا تو نماز تہجد ہے کہ اس کے بڑے فضائل ہیں ، جو تہجد گذار ہوگا ، اُس کا چہرہ منور ہوگا ، یا صبح کو اُٹھ کر استغفار پڑھنے والا مراد ہے ، حضرت لقمان نے اپنے فرزند کو نصیحت کی تھی ، کہ تم مرغ سے کم نہ ہونا پوچھا کس طرح ؟ کہا کہ وہ تو صبح ہی اُٹھ کر ذکر الٰہی کرے اور تم سوتے رہو ؎

حیف تو سوتا رہے مسجد میں ہوتی ہو اذاں

مرغ و ماہی سب اُٹھیں یادِ خدا کے واسطے

بالاسحار سے معلوم ہؤا ، کہ بمقابلہ دیگر اوقات کے صبح کے وقت استغفار بہتر ہے ، اسی لئے حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص اُن کے والد ماجد کے پاس آئی تو اُن کے فرزندوں نے عرض کیا ، کہ ابّا جان ہم سے بڑا قصور ہؤا ، معاف کیجئے اور

دعائے مغفرت فرمایئے۔ اس پر حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا سوف استغفر لکم ربی، اسی وقت دعا نہ فرمائی، تاکہ صبح کے وقت دعاء کی جاوے۔ کبھی بھی کوئی جانور بوقتِ صبح نہیں سوتا۔ اگر انسان سوتا رہے تو جانور سے بھی گیا گذرا ہے۔ اگر سویرے ہی اُٹھ کر دروازہ کھولا جاوے، اور گھر میں جھاڑو دی جاوے، تو گھر میں برکت رہے گی۔ نیز جو کوئی فجر کی سُنتیں گھر پڑھا کرے، اور مصلے پر ہی ستّر بار استغفر اللہ ربّی من کلّ ذنبٍ واتوب الیہ پڑھ لیا کرے، اور پھر فجر کے فرض مسجد میں جماعت سے پڑھا کرے، تو انشاء اللہ اُس کے گھر میں بہت برکت اور آپس میں اتفاق رہے، مجرّب ہے۔ استغفار بڑی مبارک چیز ہے، بے اولاد پڑھے انشاء اللہ اولاد والا ہو جاوے۔ قحط سالی میں پڑھی جاوے تو بارش ہوئے غریب پڑھا کرے مالدار ہو جاوے۔ غرضکہ صدہا مصیبتوں کا علاج ایک استغفار ہے۔ پھر صبح کے وقت کا استغفار تو سبحان اللہ کیا ہی کہنا۔ نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا استغفروا ربّکم انہٗ کان غفاراً ۝ یرسل السماء علیکم مدراراً ویمددکم باموالٍ وبنین الآیہ۔ رب تعالیٰ توبہ استغفار کی توفیق دے۔ ہمارے دادا آدم علیہ السلام نے زمین پر آکر سب سے پہلا کام استغفار ہی کیا ۔

۹۲ — ۲۸۶

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ

اِس آیت کریمہ میں چند امور قابلِ غور ہیں :۔

ایک یہ کہ اس کا گذشتہ آیات سے کیا تعلق ہے ؟ دوم یہ کہ اس آیت کا مقصد کیا ہے ؟ سوم یہ کہ دین اور مذہب میں کیا فرق ہے ؟ چہارم یہ کہ اسلام کی حقانیت پر عقلی دلائل کیا ہیں، اور دین اسلام رب کو کیوں پیارا ہے ؟

(۱) گذشتہ آیات میں ذکر ہوا، کہ جنت کا استحقاق متقی رکھتے ہیں۔ پھر ذکر ہوا۔ اللہ گواہ ہے، کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اور ملائکہ اور اہل علم بھی اس پر گواہ ہیں۔ تو شاید کوئی کہتا کہ جنت پانے کے لئے تقوےٰ ضروری ہے۔ جس دین میں رہ کر بھی ہو، جیسے کہ بعض جاہل مفسرین نے اپنی تفاسیر میں لکھا، کہ ہر دین اپنی اپنی جگہ حق ہے، جس کی پابندی کرے نجات ہو جاوے گی۔ اور نجات کے لئے اسلام ہی کی پابندی ضروری نہیں۔ یا آیت شھد اللہ سے کوئی دھوکا دیتا، کہ صرف توحید متقی ہونے کے لئے کافی ہے، کسی دین میں رہ کر ہو۔ ان دونوں خیالات کو باطل کرنے کے لئے فرما دیا گیا، کہ معتبر دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔ دوسری جگہ اور بھی واضح کر دیا ومن یبتغ غیر الاسلام دینًا فلن یقبل منه وھو فی الاٰخرۃ من الخٰسرین ۝ جس سے معلوم ہوا، کہ اسلام کے سوا دوسرے دین میں رہ کر کوئی عمل قبول نہیں، پہلے وفادار رعایا بنو، پھر دوسری بات سُنی جاوے گی، نہ شیطانی توحید کا بغیر اسلام کے اعتبار ہے، نہ عبادات و ریاضات کا کوئی لحاظ ؛

یہاں سوال ہوتا ہے کہ علاوہ دین اسلام کے اور بھی آسمانی دین جیسے دین عیسوی و موسوی اور ابراہیمی وغیرہ دنیا میں آئے، تو اُن کی نجات کا اُس زمانہ میں کیا ذریعہ تھا؟ کیونکہ اُس وقت اسلام دنیا میں آیا بھی نہ تھا۔ اس کا جواب دو طرح سے ہے۔ ایک یہ کہ یہ حکم اسلام آنے کے بعد ہے۔ اس سے پہلے وہ ہی ادیان اپنے اپنے وقت میں ہدایت تھے۔ ہاں اس وقت اگر کوئی اسلام کے سوا اور دین اختیار کرے وہ معتبر نہیں۔ اسی لئے حضرت خضر علیہ السلام اب اتباع مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مشرف ہیں، اور حضرت عیسےٰ علیہ السلام اسی دین پر عامل ہو کر دنیا میں تشریف لائیں گے ؛

دوسرے یہ کہ یہاں اسلام کے لغوی معنے مراد ہیں، یعنی دین آسمانی، ہرایک دین اپنے اپنے زمانہ میں اسلام رہا۔ مگر آفتاب نکلنے پر چراغوں کی ضرورت نہ رہی لو کان موسیٰ حیا ما وسعہ الا اتباعی، اگر موسےٰ علیہ السلام آج دنیا میں ہوتے، تو اُن کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیروی کرنی پڑتی ؞

(۲) اس آیت سے مقصود یہ ہے، کہ دنیا میں ہر قوم یہی کہتی ہے کہ ہیں ایماندار ہوں، سب ایمان ہی کی قسم کھاتے ہیں۔ لیکن مقبول وہ جسے رب تعالیٰ اپنی رضا مندی کا تمغہ عطا فرمادے۔ ایک محبوب کے چند عاشق ہیں، ہرایک کہتا ہے، کہ محبوب مجھ سے راضی، اب فیصلہ کی صرف یہ ہی صورت ہے، کہ خود محبوب سے پوچھ لو، تو کس سے راضی ہے؟ یہاں اسی قاعدے سے ذکر کیا گیا، کہ تم لوگ جھگڑتے کیوں ہو؟ تم ہم کو راضی کرنے کے لئے دین کو اختیار کرتے ہو، ہم کہتے ہیں کہ ہم کو تو اسلام پیارا ہے، مسلمان ہمارے مقبول بندے ہیں ؞

(۳) دین عقائد کو کہا جاتا ہے، اور مذہب فروعی مسائل کو بولتے ہیں۔ اسی لئے کہہ سکتے ہیں، کہ احناف اور شافعیہ وغیرہ میں مذہبی اختلاف ہے، لیکن دینی اختلاف نہیں کہہ سکتے، ہاں ہم میں اور عیسائیوں اور مشرکین میں، نیز ہم میں اور مرزائیوں و دیوبندیوں میں اختلاف دینی ہے، کہ ہم لوگ اور وہ لوگ دین میں مخالف ہیں۔ لہٰذا اسلام اپنے تمام مذاہب حقہ کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔ اس کا لحاظ ضروری ہے۔ حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی نیز قادری، چشتی، نقشبندی سہروردی سب برحق ہیں، کہ یہ اسلام ہی میں داخل ہیں ؞

(۴) قرآن کا ماننے والا اس آیت کریمہ کو ہی دیکھ کر اسلام کی حقانیت کا معترف ہو جاوے گا۔ مگر قرآن کا منکر اس پر قناعت نہ کرے گا۔ اُس کے لئے اِس آیت کی تائید عقلی دلائل سے اس طرح کی جا سکتی ہے، کہ کسی چیز کی حقانیت یا نافع ہونے

پر دو طرح دلائل قائم کئے جاتے ہیں۔ ایک یہ کہ اس کا فاعل بڑا ہے، دوسرے یہ کہ اس کا نفع بہت ہے، ایک نسخہ کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے، کہ یہ نسخہ اچھا ہے کیونکہ حکیم اجمل خاں کا ہے، یا اس سے لاکھوں کو نفع ہوا، غرضکہ چیز کی عظمت چیز والے کی عظمت یا اُس کے نفع سے ظاہر ہوتی ہے۔ یا یوں سمجھو، کہ اگر کسی اجنبی شہر میں کوئی پہنچے، تو وہ اُس ہوٹل میں قیام کرے گا، جس میں غذا، ہوا، پانی اور پاخانہ وغیرہ سب کا انتظام اچھا ہو۔ خصوصاً جب کہ اُس ہوٹل میں ان کے ساتھ ہی ساتھ کرایہ بھی تھوڑا ہو۔ اسی قاعدے سے اسلام کی حقانیت بالکل ظاہر ہے، کہ اسلام وہ مذہب ہے جس کے بانی مصطفےٰ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں، اور اس کے سینچنے والے صدیق و فاروق جیسی ہستیاں ہیں، نیز یہ وہ نسخہ ہے جس کے استعمال سے عرب کے وہ لوگ جو دنیا والوں کی نگاہ میں ذلیل تھے، جو اپنی انسانیت کھو چکے تھے، انسان تو کیا انسان گر ہو گئے، اور جانوروں کے چرانے والے انسانوں کو تہذیب سکھانے والے بن گئے۔ قزاقی کرنے والے نگہبانِ عالم بن گئے۔ اور اسی اسلام سے ہم لاپرواہ ہو کر ذلیل و خوار ہو گئے۔ غرض یہ ہے، کہ تین ذریعہ سے اسلام کی حقانیت واضح ہے، بانیٔ اسلام علیہ السلام کیسے، خود اسلام کے نسخے اور قانون کیسے۔ اسلام مان کر لوگ کیا سے کیا ہو گئے، اور چھوڑ کر پھر کیا سے کیا بن گئے، یہ تین کمالات اسلام پہ بخوبی روشن ہیں۔

بانیٔ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام میں ایسی خوبیاں ہیں، جو کسی بھی مذہب کے بانی میں نہیں مل سکتیں، ایک تو آپ کے واقعاتِ زندگی کا اِس طرح جمع ہونا، کہ جو سند میں آجاوے اس کی بھی تاریخ لکھ جاوے۔ اگر عیسائی، یہودی، پارسی، مشرکین وغیرہ سے سوال ہو، کہ تم اپنے پیشواؤں کی سوانح حیات از ابتداء تا انتہاء ثبوت کے ساتھ بیان کرو۔ تو نہیں کر سکتے، ہندو تو یہ بھی یقین سے نہیں کہہ سکتا، کہ جن پر

وید آیا، وہ انسان بھی تھے یا نہیں. کیونکہ ان میں بہت لوگ آگ، پانی پر وید کا نزول مان کر اُن کی پوجا کرتے ہیں، وہ اِن رشی منی کے حالاتِ زندگی کیا بتائیں گے لیکن بانیٔ اسلام صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی زندگی پاک ایسی کہ از سرتا قدم تمام اعضاء کی تفصیل اور تمام اندرونی و بیرونی زندگی ازدواج اور اصحاب نے اس طرح جمع فرمائی، کہ کوئی بات نہ چھوڑی، حتےٰ کہ روایت میں یہ بھی آیا. کہ محبوب کے سر مبارک میں بیس بال سفید تھے. ایک راوی نے روایت حدیث فرما کر ایک کھجور شاگرد کو عنایت کی، ایک صاحب روایت فرما کر مسکرائے، اور شاگردوں سے پوچھا کہ تم ہم سے اس فعل کا سبب کیوں نہیں پوچھتے؟ عرض کیا گیا فرمائیے! فرمایا کہ حضور اس کلام کو فرما کر مسکرائے تھے. یا حضور نے کھجور عنایت فرمائی تھی. ہم بھی اس حدیث کو اسی طرح بیان کر کے مسکراتے یا کھجور دیتے ہیں، صحابہ کرام کا عشق مجنوں کے عشق سے کہیں بڑھ کر تھا. کسی نے گپ ہانکی، کہ فصد لیلےٰ نے لی، اور خون مجنوں کے نکلا. مگر یہاں سچ ہو گیا، کہ مرض تو محبوب مصطفےٰ کو ہو اور ضعف صدیق کو، صحت تو محبوب پاویں اور طاقت صدیق، وہ خود فرماتے ہیں ؎

مرض الحبیب فزرتہٗ فمرضت من حذری عنہ
شفی الحبیب فزارنی فشفیت من نظری الیہ

یعنی محبوب بیمار ہوئے، تو میں اُنہیں بیمار دیکھ کر خود بیمار ہو گیا، محبوب کو صحت ہوئی، میں اُنہیں تندرست دیکھ کر اچھا ہو گیا + مگر مجنوں نے لیلےٰ کی سوانح حیات نہ لکھی، صحابہ کرام و ازواج مطہرات نے بے دھڑک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اندرونی و بیرونی زندگی جمع فرما دی، مجنوں نے دیوانِ قیس میں اپنے درد فراق کے قصے لکھے، مگر لیلےٰ کا کوئی وصف نہ لکھا، نہ لیلےٰ کی تاریخ خلق کے سامنے پیش کرنے کی جرأت کی، مجنوں جانتا تھا کہ لیلےٰ صرف میری محبوبہ ہے، نہ کہ جہان بھر کی

مجھے تو اُس کی ہر ادا پسند ہے بُری ہو یا اچھی۔ لیکن اگر ان اداؤں کو کتابی شکل میں لکھا گیا، تو لاکھوں آدمی مذاق اڑائیں گے، مَیں اپنی لیلےٰ کو بدنام کیوں کر دوں مگر صحابہ کرام جانتے تھے کہ یہ تو عالم کے محبوب ہیں۔ انا ارسلنٰک شاھدا، شاہد بمعنے محبوب بھی ہے، ان اداؤں کو جو دیکھے گا فریفتہ ہی ہوگا، لہٰذا وہ حضرات دنیا بھر کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حالات سُنا گئے، کہ دیکھو ہمارے پیغمبر میں یہ خوبیاں ہیں، پڑھو اور غلام بن جاؤ ؎

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دنیا کی ایسی اصلاح فرمائی، جس کی کسی بانی مذہب میں مثال نہیں ملتی، حضرت موسےٰ علیہ السلام کو صرف مصر اور فرعون کی طرف تبلیغ کے لئے بھیجا گیا، تو عرض کیا واجعل لی وزیراً من اھلی، اے مولےٰ مجھے ایک وزیر بھی میرے خاندان سے عطا فرما، زبان اور دل کھول دے پھر بھی فرمایا گیا اننی معکما اسمع واریٰ، یہ جب فرمایا جبکہ عرض کیا تھا قالا ربنا اننا نخاف ان یفرط علینا اوان یطغیٰ غرضکہ ہر طرح تسلی وتشفی فرمائی گئی، قوت بازو بھی بھائی کو بنایا گیا، اور بتا دیا گیا کہ فرعون سے خوف نہ کرنا، ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ مگر سرکار ابد قرار صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو جہان بھر کی ہدایت کے لئے بھیجا، دنیاوی سہارا کچھ نہ دیا گیا۔ جس سیپ سے یہ دُرِ یتیم ظاہر ہوئے اُس بطن سے کوئی بھائی نہ دیا گیا۔ کہ دریتیم ایک ہی ہوتا ہے۔ ولادت سے پہلے ہی یتیمی کا سہرہ باندھ دیا گیا، جو قرابت دار باقی بچے وہ خون کے پیاسے، ابو جہل اور ابو لہب فرعون سے بڑھ کر، فرعون ڈوبتے وقت بولا اٰمنت برب موسیٰ و ھٰرون۔ مگر ابو جہل جنگِ بدر میں مرتے مرتے وصیت کر گیا، کہ میرا سر ذرا نیچے سے کاٹنا، تاکہ معلوم ہو کہ کسی سردار کا سر ہے، تمام عالم کی رہنمائی، مگر دنیاوی سازو سامان ندارد ؎

اِس کے باوجود کل ۲۳ سال بلکہ حقیقت میں کُل دسؔ سالہ تبلیغ سے عالم کی ہوا بدل دی۔ بے دینوں کو دیندار، بُت پرستوں کو خدا پرست اور نہ معلوم کس کو کیا کیا بنا دیا۔ یہ حقیقت ہے کہ پہاڑ کو ریزہ ریزہ کرنا آسان ہے، دریا کا رُخ بدلنا سہل، مگر بگڑی قوم کا بنانا دشوار ہے۔ خصوصاً جبکہ ایسی بے سرو سامانی ہو جو ذکر ہوئی ؎

آج کوئی مذہب اپنے بانی میں کوئی ایسی خوبی بیان نہیں کر سکتا، جس سے بڑھ کر حضور میں خوبی موجود نہ ہو۔ اگر مشرک کہے کہ رامچندر میں قوتِ بازو ایسی تھی، کہ اُس نے بھاری کمان کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ تو میرے آقا میں وہ خدا داد قوت تھی، کہ اُنگلی کے اشارے سے پُورے چاند کی دو کمانیں بنا دیں ؎

(۵) اسلام نے دنیاوی زندگی کا ایسا انتظام فرمایا، کہ ماں کے پیٹ میں آنے سے لے کر دفن ہونے تک نہیں بلکہ بعد موت مال تقسیم کرنے تک کے تمام احکام بیان کر دیئے۔ ہمیں نئے قانون بنانے کی ضرورت ہی نہ رہی۔ اور بانیٔ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایسی زندگی پیش فرمائی، کہ غریب و امیر، رعایا، بادشاہ، اکیلا اور عیالدار، شجاع بہادر اور رحم و کرم والا، غرضکہ ہر طبقہ کا انسان اپنی زندگی گذارے۔ ہر قوم کو قانون سازی کی ضرورت، مگر اسلام والوں کو قانون بنانے کی کوئی ضرورت نہیں، قاضی اور بادشاہ و حکّام اس تکلیف سے محفوظ ہیں ؎

(۶) پھر قانون سازی کسی آرام و راحت میں نہیں، بلکہ بے ساختہ ایسے قانون بنائے جو قیامت تک کام آویں، اور ہر قوم کو ماننا پڑیں۔ آج ہندوؤں میں چرچا ہے کہ چند نکاح کئے جاویں، کیونکہ مرد بمقابلہ عورتوں کے کم ہیں، پھر بھی جنگ وغیرہ میں مارے جاتے ہیں، اگر ایک مرد چند عورتیں نہ رکھے، تو عورتیں کہاں کھپائی جاویں۔ ہر ہاتھ میں انگشت چار، اور انگوٹھا جو نر ہے

ایک اس میں اشارہ ہے۔ کہ ایک مرد چند بیویاں رکھ سکتا ہے۔ ہاں اگر عورت کے چار
خاوند ہوں، تو علاوہ بے حیائی کے بچے کا نسب مجہول ہوگا، اور بچے کی تعلیم وغیرہ کا کوئی
منتظم نہ ہوگا۔ اسی طرح مسئلہ گوشت خوری۔ کہ اگر ذبح حیوانات نہ ہو، تو جانور اس
قدر زیادہ ہو جاویں گے، کہ ملک کی تمام پیداوار اُن کا پیٹ نہ بھر سکے، پھر انسان کیا
کھائیں۔ اور دودھ دہی اس قدر ارزاں ہو جائے، کہ دودھ کی قیمت سے اُن کا چارہ
نہ ہو۔ اسی لئے حکومت بیکار کتوں وغیرہ کو بھی مرواتی رہتی ہے۔ غرضکہ اسلام کے
قانون فطرت کے موافق ہیں۔ اسی طرح داڑھی اور ختنہ، کہ داڑھی سے چہرے کا نور
زیادہ اور صورت جاذیب ہوتی ہے۔ اور قوت مردمی اس سے زیادہ ہوتی ہے۔ نیز
مونچھ کے بالوں میں زہریلا مادہ ہے۔ اگر اس سے پانی لگ کر پیٹ میں جاوے۔ تو
مضر ہو۔ ختنہ بھی بہت سی بیماریوں کا علاج ہے۔ بغیر ختنہ اجتماع میل سے عضو میں
خارش رہتی ہے۔ اس کو کھجلانے سے جلق کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ نیز اس سے عورت
کی جس قدر سیری ہوتی ہے، وہ غیر ختنہ سے نہیں ہوتی۔ اسی لئے غیر اقوام کی عورتیں
اگر مسلمان کے نکاح میں آجائیں تو پھر ان ہی کی ہو جاتی ہیں، اسی لئے اہل کتاب کی عورت
سے نکاح درست ہے۔ اور کسی خداداد قوت کو بڑھانا عیب نہیں۔ ہاں غیر جگہ صرف کرنا
عیب ہے۔ سرمہ لگا کر نگاہ تیز کرنا عیب نہیں، ہاں غیر عورت کو تاکنا بُرا۔ نیز حضرت
اسمٰعیل علیہ السلام کو ذبح کرا کر بچا لیا گیا۔ اور اُس کی یاد میں ایک عضو کی زائد کھال
کٹوائی گئی۔ اور قربانی جاری کی گئی۔

غرضکہ اسلام کے ہر مسئلہ میں ہزارہا خوبیاں ہیں جنہیں غیر اقوام بھی ماننے پر
مجبور ہیں۔ آج تک کفار اعتراض کرتے تھے، کہ قرآن میں جگہ جگہ جہاد کا حکم ہے۔
حالانکہ جہاد بہت بری چیز ہے، مگر نہ سمجھے کہ کوئی قوم بغیر سپاہیانہ زندگی ایک دم
بھی عزت سے نہیں رہ سکتی۔ ایک کنوئیں سے ایک زمین کو پانی دیا جاتا ہے۔ مگر

گندم کے ساتھ گھاس اس قدر پیدا ہوتی ہے۔ کہ اگر کاٹی نہ جاوے تو گیہوں ترقی نہ کرسکیں۔ ایک شخص کھاتا ہے، خوراک سے جسم میں صفرا، بلغم وغیرہ بڑھتا ہے۔ تو ضروری ہے کہ اس کا علاج کیا جاوے۔ اگر ہاتھ سڑ رہا ہے، تو ضروری ہے۔ کہ کاٹ دیا جاوے۔ تاکہ سرایت نہ کر جاوے۔ اور سارا ہاتھ خراب نہ ہو ؛

ان مثالوں سے واضح ہؤا، کہ اسی رزق کو کھا کر بعض ایسے لوگ پھیل جاتے ہیں، جن کا وجود حق کی اشاعت کے لئے مضر ہے۔ زمین کو اُن سے صاف کرنا ضروری ہے۔ اب تو کفار بھی معترف ہوئے، کہ عدم تشدد سے ترقی نہیں ہوسکتی۔ اسی طرح اسلامی سزائیں سخت ہیں، جیل یا جرمانہ سے سزا نہیں، کہ جیل کی صورت میں بدمعاش غریب اس لئے جرم کریں گے کہ وہاں روٹی تو پیٹ بھر کر ملے گی۔ نیز قیدیوں کی خوراک و پوشاک کے لئے حکومت جرمانہ بھی کرے گی۔ جس سے حکومت کو جرموں کی خواہش ہوگی۔ کیونکہ یہ ذریعہ آمدنی ہؤا۔ تو جیل زیادتی جرم کا ذریعہ ہوئی۔ نہ کہ انسدادِ جرم کا۔ اسی لئے ان ممالک میں چوریاں اور جرم زیادہ ہیں۔ اسی لئے اس کو ہندوستان یعنی چوروں کا ملک کہتے ہیں۔ دیکھو اسلامی قوانین سے جرم بہت ہی کم ہوں گے۔ نیز اسلام نے جرموں کی جڑ یعنی شراب کو حرام کیا۔ اور زر، زن زمین کو بہت سی قیدوں میں کیا، کہ سُود حرام اور پردہ فرض، کہ یہ جرم کی جڑ ہیں۔ زنا کی سزا موت، اور چوری کی سزا ہاتھ کاٹنا مقرر کی، تاکہ نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسلی۔ اِن امور میں غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ بے شک سچا دین اسلام ہی ہے ؛

۹۲ —— ۷۸۶

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْهَا اَوْ مِثْلِهَا اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ٥

اِس آیت کریمہ میں چند امور قابلِ غور ہیں :-

اول یہ کہ اس کا شانِ نزول کیا ہے ۔ دوم یہ کہ نسخ کے معنے کیا ہیں ۔ اور نسخ کتنی طرح کا ہے ۔ سوم یہ کہ نسخ کس کا کس سے ہوتا ہے ۔ چہارم یہ کہ اس پر اعتراضات کیا ہیں ، اُن کا جواب کیا ۔ پنجم یہ کہ نسخ میں حکمت کیا ہے ؟ ؟

(۱) جب قرآن کریم نے اپنی کتاب الٰہی ہونے پر دلائل قویہ ان کنتم فی ریب سے بیان کر دیئے ، اور کفار ہیں تابِ مقابلہ نہ ہوئی ۔ تو انہوں نے بیہودہ اعتراض کر کے عوام کو بہکانا شروع کیا ۔ مثلاً یہ کہ اگر قرآن کتاب الٰہی ہے ، تو اس پر مچھر اور مکڑی جیسی حقیر چیزوں کا ذکر کیوں کیا گیا ۔ اس کا جواب ان اللّٰہ لا یستحی ان یضرب مثلاً ما میں دیا گیا ، اُن ہی کمزور اعتراضات میں سے ایک اعتراض نسخ پر تھا ۔ کہ خدا کی کتاب میں نسخ نہیں ہونا چاہیئے ؟

مشرکین نے اعتراض کیا ، یہود نے اُن کی تائید کی ۔ کہ کلام الٰہی میں نسخ کیسا محمد رسول اللہ نے کبھی زانیہ عورتوں کو فقط ایذاء رسانی کا حکم دیا فاذوا ھما اور کبھی گھروں میں قید کرنے کا حتّٰی یتوفھن الموت اور کبھی کوڑے مارنے کا فاجلدوا کل واحدٍ منہما مائۃ جلدۃ ۔ اگر کلام خدا تھا ، تو اول سے ہی وہ حکم کیوں نہ آگیا جو آخر میں بھیجا گیا ۔ بے خبر آدمی اپنے احکام بدلتے ہیں نہ کہ جاننے والے ۔ تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی ؟

(۲) نسخ کے لغوی معنے ہیں زائل یا نقل کرنا (روح البیان) شرعی معنے ہیں حکم کی انتہاءِ مدت بیان کرنا ۔ نسخ کی تین صورتیں ہیں ۔ نسخ تلاوت ، نسخ فی الحکم نسخ تلاوت وحکم ہر دو ۔ پہلے کی مثال جیسے کہ الشیخ والشیخۃ اذا زنیا فارجموھا اس آیت کا حکم یعنی رجم زانی ۔ تو باقی مگر تلاوت منسوخ ۔ دوسرے کی مثال وصیۃ لازواجھم متاعاً الی الحول کہ اس کی تلاوت باقی مگر حکم یعنی وفات کی عدت

ایک سال منسوخ۔ تیسرے کی مثال۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ ایک آیت تھی عشر رضعات معلومات یعنی دس گھونٹ دودھ سے عورت رضاعی ماں بنے (روح البیان) مگر اب نہ یہ حکم رہا نہ تلاوت، کہ ایک گھونٹ سے بھی رضاعت ثابت ہے۔ ان ہی قسموں کی طرف اشارہ ہے۔ ما ننسخ من اٰیۃ او ننسھا میں ؛

پھر نسخ کی تین قسمیں ہیں (۱) نسخ الی الاسھل (۲) نسخ الی الاشق لیکن ثواب زیادہ۔ (۳) نسخ الی المساوی۔ پہلے کی مثال پہلے ایک سال عدت وفات تھی، پھر چار ماہ دس دن ہوئی۔ دوسرے کی مثال جیسے ترکِ جہاد، جہاد کے حکم سے منسوخ ہؤا۔ جہاد اگرچہ بھاری پڑتا ہے مگر نافع ہے۔ تیسرے کی مثال۔ جیسے بیت المقدس سے پھر کر کعبہ کی طرف نمازمیں منہ کرنا۔ اسی طرف اشارہ ہے نات بخیر منہا او مثلہا میں کہ خیر شامل ہے، اسھل اور شاق نافع کو ہے ؛

(۳)، سوائے احکام اور کسی شے کا نسخ نہیں ہو سکتا، نہ خبروں کا نہ صفات الٰہیہ کا۔ اس طرح نسخ کی چار صورتیں ہیں۔ نسخ قرآن قرآن سے، نسخ قرآن حدیث سے۔ جیسے تعظیمی سجدہ قرآن سے ثابت مگر حدیث سے منسوخ۔ نسخ حدیث حدیث سے۔ جیسے مجرم کے اعضاء کاٹنا حضور سے ثابت ہے۔ مگر بعد میں حدیث سے منسوخ۔ اسی طرح نسخ حدیث قرآن سے، جیسے احل لکم لیلۃ الصیام الرفث۔ رمضان کی شب میں جماع حدیث سے حرام تھا، قرآن نے حلال کیا۔ رہا یہ کہنا کہ قرآن کریم کا نسخ حدیث سے کیسا۔ کیا حکمِ خدا کو فرمانِ مصطفےٰ رد کریگا حدیث میں ہے کلامی لا ینسخ کلام اللہ حدیث قرآن سے منسوخ نہیں ہو سکتی۔ بھلا رب تعالےٰ حضور کے کلام کو رد کرے گا؟

یہ دونوں اعتراض لغو ہیں، کیونکہ نسخ کے معنے رد نہیں بلکہ بیان

انتہائے مدت ہیں۔ اور حدیث میں کلامی سے مراد وہ کلام ہے جو حضور علیہ السلام اپنی طرف سے فرمادیں۔ ورنہ حدیث بھی کلام الٰہی ہے۔ قرآن میں عبارت بھی خدا کی طرف سے ہے۔ اور حدیث میں مضمون خدا کا، عبارت مصطفےٰ علیہ السلام کی۔ یہی فرق ہے قرآن اور حدیث قدسی وغیرہ میں۔ اسی لئے نماز میں حدیث کی تلاوت جائز نہیں۔ ہاں حدیث غیر متواتر سے نسخ ناجائز ہے۔ کہ اس کے حدیث ہونے میں شک ہے۔ یقینی چیز مشکوک سے منسوخ نہیں ہوتی۔ لہٰذا قرآن کا حدیث سے اور حدیث کا قرآن سے نسخ جائز ہے۔ ہاں تخصیص جو ایک قسم کا نسخ ہے یہ غیر متواتر یعنی حدیث مشہور سے بھی ہو سکتا ہے۔ اسی لئے چار عورتوں سے ایک دم نکاح حلال، مگر سیدنا علی حضرت زہرا رضی اللہ تعالےٰ عنہما کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہیں کرسکتے تھے۔ تمام لوگوں کی بعدِ وفات میراث تقسیم ہو، مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس سے مستثنےٰ۔ گواہ دو چاہئیں، مگر ابوخزیمہ انصاری اکیلے کی گواہی دو کی طرح تھی۔ یہ خصوصیت ہے۔

(۴) مسئلہ نسخ پر نادان لوگ چند شبہ کرتے ہیں۔ اول یہ کہ کلام الٰہی میں تبدیلی اور تغیر نہیں ہو سکتا۔ قرآن فرماتا ہے مایبدل القول لدی وما انا بظلام للعبید۔ اور نسخ بھی تبدیل ہے۔ اسی لئے اصولیین اس کو بیانِ تبدیل کہتے ہیں۔ نیز فرماتا ہے لو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیراً۔ اور نسخ بھی اختلاف ہے، لہٰذا نسخ باطل ہے، منسوخ ہونا اس کی علامت ہے کہ یہ رب تعالےٰ کا کلام نہیں۔

اِس کا جواب واضح ہے، کہ نسخ حکم کی مدت بیان کرنے کو کہتے ہیں۔ چونکہ اس کے بعد زمانۂ آئندہ میں دوسرا حکم جاری ہوتا ہے۔ اس لئے اس کو بیان تو کہتے ہیں مگر بیان تبدیل۔ اور آیت میں وعدہ خلافی کی نفی ہے۔ یعنی

ناممکن ہے کہ صالحین سے وعدہ اچھا کیا جاوے. مگر دیا نہ جاوے. اسی لئے فرمایا وما انا بظلام للعبید. نیز نسخ اختلاف نہیں. بلکہ پہلے حکم کا بیان ہے اس کو اختلاف میں داخل سمجھنا غلطی ہے. کہ اختلاف سے مراد خبروں کا واقعات کے خلاف ہونا یا کلام الٰہی کی فصاحت وعمدگی میں یکساں نہ ہونا ہے. جیسے لوگوں کا کلام بعض اعلےٰ درجہ کا بعض پھیکا ہوتا ہے. مگر یہ کلام از اوّل تا آخر تمام یکساں فصیح. خلاصہ یہ کہ قرآن وعدہ خلافی اور غلط خبروں سے پاک ہے. نیز قرآن یکساں فصیح وبلیغ ہے۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ نسخ متکلم کی جہالت یا عجز پر دلالت کرتا ہے۔ اگر اس کی خبر ہوتی کہ یہ حکم ہمیشہ کام نہ دے گا تو اوّل سے ہی وہ حکم نافذ کرتا جو آخر میں دیا۔ یا اوّل حکم کو اپنی قدرت سے ہمیشہ جاری رکھتا. یہ کیا کہ کبھی کوئی کبھی کوئی ؟

اس کا جواب یہ ہے کہ زمانہ کا اختلاف مختلف احکام چاہتا ہے. کامل حکیم وہ ہے جو ضرورتِ زمانہ کے لحاظ سے احکام بھیجے. ایک طبیب اپنے مریض کو زمانۂ علاج میں طرح طرح کی دوائیں اور غذائیں تبدیل کرکے دیتا ہے، جوں جوں مریض کی حالت بدلی، طبیب کی تجویز بھی بدلی، مگر علاج کی تبدیلی حکیم کے علم کی دلیل ہے نہ کہ جہالت کی۔ پھر جب مریض کو آرام ہو گیا، تو ایک پیٹنٹ دوا تجویز کر دی، کہ ہمیشہ اس کو کھایا کرنا. اب کوئی تبدیل نہ ہو گی۔ اسی طرح گذشتہ دین اور خود قرآن کے پہلے احکام بدلتے رہے. بعد میں قیامت تک کے لئے پیٹنٹ نسخہ یعنی قرآن دیا گیا ؟

خدا تعالےٰ کو علم تھا کہ بچہ جوان وادھیڑ ہو کر آخر بڈھا ہو گا، اور آخر غذائیں اس کی یہ ہوں گی۔ لیکن پیدا کیا گیا چھوٹا بچہ، اور غذائیں بھی نہایت نرم، کیونکہ وہ تو قادر تھا کہ اسے بڈھا ہی پیدا فرما دے، مگر ماں کی خرابی لگ

جاتی۔ جیسے دنیا میں ہر چیز تغیر قبول کرتے کرتے آخر اپنے کمال پر پہنچکر پھر نہیں بدلتی، دیکھو جسم انسانی اور درخت وغیرہ کو، اسی طرح ادیان الٰہیہ میں جب تغیر ہوتے ہوتے کمال آگیا نسخ کا سلسلہ ختم ہوگیا، الیوم اکملت لکم دینکم اور یہ ہی وجہ ختم نبوت کی بھی ہے۔ کہ دنیا میں عارضی طور پر حسب موقعہ پیغمبر آتے رہے آخر میں پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے جو اصل مقصود ہیں ؎

تیسرا اعتراض یہ ہے۔ کہ قرآن کریم فرماتا ہے مصدقاً لما معکم یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کتب الٰہیہ کی تصدیق فرماتے ہیں۔ تصدیق کرنے میں اور نسخ میں تضاد ہے۔ نیز حضرت عیسےٰ علیہ السلام دنیا میں تشریف فرما ہوکر جزیہ نسخ فرمادیں گے۔ سؤر قتل فرمائیں گے۔ اسلام جب قابل نسخ نہ تھا، تو یہ نسخ کیوں ہوگا۔ نیز عہد فاروقی میں مصرف زکوٰۃ سے مؤلفۃ القلوب کو کیوں منسوخ کیا گیا۔ یہ بھی الیوم اکملت لکم کے خلاف ہے ؎

اس کا جواب یہ ہے کہ تصدیق اور تنسیخ میں ضد نہیں، تصدیق اس کی ہوتی، کہ یہ واقعی کتب الٰہیہ ہیں، اور اپنے وقت میں قابل عمل تھیں، مگر اب آفتاب کی موجودگی میں ان شمعوں اور گیسوں کی ضرورت نہیں۔ جب طبیب نسخہ تبدیل کرتا ہے، تو اپنے پہلے نسخہ کو غلط نہیں کہتا، تصدیق کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اب اس کے استعمال کی ضرورت نہیں۔ مصدقاً کے دوسرے معنے یہ بھی ہیں کہ ان کتابوں میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آمد کی خبر دی گئی۔ ومبشراً برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد۔ اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تشریف آوری نہ ہوتی، تو وہ خبر غلط ہو جاتی، لہٰذا حضور علیہ السلام کی تشریف آوری اُن کتابوں کی تصدیق ہے ؎

حضرت عیسےٰ علیہ السلام جزیہ کو منسوخ نہ فرمائیں گے، کیونکہ حضور صلے

اللہ علیہ وسلم نے ہی اُس کی مدت بیان فرمادی، کہ حکم جزیہ عیسےٰ علیہ السلام کی آمد تک رہے گا، حکم تو سرکار کا ہے، اس کے جاری فرمانے والے حضرت مسیح ہیں. جیسے گذشتہ شریعتوں کے بعض وہ احکام جو قرآن و حدیث میں قصۃً ذکر ہو کر ہم پر ضروری ہوئے. جیسے وکتبنا علیھم فیھا ان النفس بالنفس الآیۃ ہمارا ان احکام پر عمل صرف اس لئے ہے، کہ ہمارے آقا نے اُن کا ذکر فرمادیا، نہ اس لئے کہ زبور وغیرہ کے احکام ہم پر لازم ہیں. اسی طرح نزول حضرت مسیح پر حضور علیہ السلام نے جزیہ کا حکم ختم کیا ؛

عہد فاروقی میں مولفۃ القلوب کو علۃ اٹھنے کی وجہ سے علیحدہ سمجھا گیا. اس کو نسخ نہیں کہتے، مسلمانوں کی کمزوری علت تھی. ایک کپڑا ناپاک ہے. ہم کہتے ہیں اس سے نماز نہیں ہوسکتی، پھر پاک کردیا گیا، حکم بدل گیا یعنی اس سے نماز جائز ہو گئی، تو یہ نسخ نہیں، بلکہ علت اٹھ جانے سے حکم اٹھ گیا. ورنہ قیاس اور اجماع سے کتاب یا سنت کا نسخ جائز نہیں. جیسا کہ تفسیرات احمدیہ میں مذکور ہے ؛ (۵) نسخ میں بہت سی مصلحتیں ہیں، کچھ تو اوپر معلوم ہوچکیں اور کچھ حسب ذیل ہیں :-

منسوخ حکم ضرورت مخلوق کے لئے عارضی طور پر جاری کیا گیا، بعد کو ختم کردیا گیا، جیسے حضرت آدم علیہ السلام کی شریعت میں بہن کا نکاح بھائی سے جائز تھا جبکہ ساتھ ساتھ پیدا نہ ہوں، کیونکہ بجز اس کے اور کوئی صورت نہ تھی، عورتیں کہاں سے آتیں. یہ حکم شریعت حضرت نوح علیہ السلام سے منسوخ ہوا. کبھی اس لئے کہ پہلا حکم لوگوں کی طبیعت میں بیٹھ چکا ہے. ایک دم ترک کرنا مشکل ہوگا. اس میں بہت تغیر کرکے پھر بالکل بند کیا گیا. جیسے ممانعت شراب کہ پہلے اس سے نفرت دلائی گئی. پھر نشہ میں نماز سے منع کیا گیا. پھر بالکل حرام کر

دی گئی۔ اول سے ہی بالکل منع کرنا سخت تکلیف دِہ ہوتا، ایک دم شراب چھوڑنا اُن کو دشوار ہوتا ؛ اسی طرح روزہ اگر ایک دم فرض ہو جاتا مشکل ہوتا۔ لہٰذا اولاً صرف ایک روزہ عاشورہ کا فرض ہوا۔ پھر ہر ماہ میں تین، پھر ماہ رمضان۔ مگر فدیہ کا اختیار رہا۔ پھر حکم فدیہ ختم، مگر سحری کھانا ناجائز رہا۔ پھر سحری حلال، مگر رمضان کی رات میں بھی بیوی سے صحبت حرام رہی۔ پھر اس صورت پر آیا جس پر اب ہے۔ اگر روزے کے سارے احکام ایکدم آجاتے، تو لوگوں کو مشکل پڑ جاتی۔ کبھی محبوب کی اظہارِ عظمت کے لئے نسخ ہوتا ہے، جیسا کہ معراج میں پچاس کی بجائے پانچ نمازیں رہیں اگر اوّل سے ہی پانچ ہوتیں، تو اس میں حضرت موسےٰ علیہ السلام کا احسان معلوم ہوتا اور نہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عظمت۔ اب معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وہ عظمت ہے کہ عرض کرنے پر عباداتِ الٰہیہ میں تبدیلی ہو جاتی ہے۔ اسی طرح قبلہ کا بدلنا کہ اگر پہلے سے ہی قبلہ کعبہ ہوتا، تو وہ عظمتِ مصطفٰے علیہ السلام معلوم نہ ہوتی۔ جو اب معلوم ہوئی۔ کہ کعبہ رضائے محبوب کے لئے قبلہ بنا قبلۃ ترضٰها نسخ کے لئے نہ تو منسوخ پر عمل ضروری ہے، نہ اُمّت کا علم لازم، صرف سرکار کا علم کافی ہے۔ اسی لئے پچاس نمازوں پر نہ تو کسی نے عمل کیا، اور نہ اُمّت نے جانا، منسوخ ہو کر پانچ رہ گئیں، اور پانچ ہی عمل میں آئیں ؛

کبھی ناسخ کی عظمت دکھانے کے لئے نسخ واقع ہوتا ہے۔ مثلاً اگر اوّل سے ہی دنیا میں اسلام آجاتا۔ تو اس کے اصول کی کاملیت اور برتری ظاہر نہ ہوتی اب جبکہ دنیا نے دوسرے اصول دیکھ کر اسلامی قوانین دیکھے، تو الاشیاء تعرف باضدادھا ان کی قدر معلوم ہوئی۔ اس لئے رب تعالےٰ نے دنیا میں اضداد پیدا فرمائے، کہ دن کی رات سے، اور تندرستی کی بیماری سے، سیری کی بھوک سے قدر معلوم ہو سکے ؛

کبھی نسخ کی وجہ یہ بھی ہوتی ہے۔ کہ ہر شے اپنی اصل پر پہنچکر ختم اور منسوخ ہو جاتی ہے۔ اور اصل سے علیٰحدگی کی حالت میں مضطرب و بے قرار رہتی ہے۔ انسان اپنے وطن سے علیٰحدہ ہو کر مضطرب، مگر وطن پہنچکر مطمئن ہو جاتا ہے۔ تمام دریا سمندر کی طرف اس زور سے بھاگتے ہیں، کہ راہ میں جو چیز بھی انہیں اس سفر سے روکے، اُس کو اکھیڑ ڈالتا ہے، شور مچاتا ہوا بھاگا جاتا ہے، مگر جہاں سمندر کے قریب پہنچا وہ شور اور روانی ختم، اور سمندر میں پہنچکر اپنے کو گم کر ڈالا۔ اور بزبانِ حال کہا۔ کہ تُو اور نہیں مَیں اور نہیں۔ آخر یہ کیوں؟ صرف اِس لئے کہ دریا سمندر سے بنا یہاں ہی سے بخار اُڑکر بادل بنا، اور وہ پہاڑوں پر برف اور بارش کی شکل میں ٹپکا، اور اس سے دریا بنا۔ دریا اپنے اصل کی طرف بھاگا، اور اُس کو پا کر اپنے کو گم کر دیا ؛

اسی طرح حدیث میں ہے اَللّٰهُ مُعْطِی وَاَنَا قَاسِم۔ نیز ارشاد ہے کل الخلائق من نوّدی، نبوت کا سمندر ذاتِ مصطفےٰ ہے صلے اللہ علیہ وسلم، تمام نبوتیں اسی طرح بھاگی آرہی تھیں، کہ اگر فرعونی طاقت اور نمرودی طاقت نبوتِ ابراہیمی و موسوی سے ٹکرائیں، پاش پاش ہوگئیں، مگر نبوتِ مصطفےٰ پر پہنچکر سب کی سب گم ہوگئیں ؛

نوٹ ضروری۔ نسخ بندوں کے اعتبار سے تبدیل ہے، اور علم الٰہی کے لحاظ سے بیانِ مدت، اسی لئے اس کو کہتے ہیں بیانِ تبدیل یعنی بیان بھی ہے اور تبدیل بھی لا یبدّل القول لدیّ میں یہ مراد ہے کہ ہمارے نزدیک تبدیل نہ ہوگی کیونکہ خدا کے نزدیک بیان ہے نہ کہ تبدیل ؛

خیال رہے کہ دنیا کی ہر چیز میں نسخ اور تبدیلی ہے۔ دن رات سے منسوخ ہے، اور رات دن سے منسوخ، اسی طرح بچپن جوانی سے، جوانی بڑھاپے سے،

زندگی موت سے، تندرستی بیماری سے، خوشحالی بدحالی سے منسوخ ہوتی رہتی ہے صوفیاء کے یہاں راہِ طریقت کے مسافروں کو نسخ سے سابقہ پڑتا رہتا ہے، سالک کے حالات بدلتے رہتے ہیں، کبھی اس کے لئے ذکر جہر مناسب، کبھی ذکر خفی بہتر کبھی چلہ کشی اور گوشہ نشینی میں مشغول، کبھی تبلیغ دین اور اظہارِ کمالات میں شاغل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے چھ ماہ غارِ حرا میں چلہ کشی فرمائی، یہ بھی ایک حالت تھی، اور کبھی کوہِ صفا پر نبوت کا اعلان فرمایا، یہ بھی ایک حال تھا، کبھی بیویوں سے اختلاط، اور حضرت جبریل کو حاضری کی ہمت نہ ہوتی ؎

اگر درویش بر حالے بماندے ٭ دو دست از ہر دو عالم بر فشاندے

۹۲ —— ۸۶ء

إِذْ قَالَ اللّٰهُ يَا عِيْسٰى إِنِّي مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ.

اِس آیت کریمہ میں چند امور قابلِ غور ہیں :-

ایک یہ کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام کا کونسا واقعہ یہاں مذکور ہے ؟ دوم یہ کہ بعض انبیائے کرام کے تاریخی واقعات قرآن کریم نے کیوں بیان کئے۔ یا تو تمام کے واقعات بیان ہوتے، یا کسی کے نہ ہوتے۔ تیسرے یہ کہ یہاں کس کس فرقہ کے کیا کیا اعتراض ہیں۔ اُن کے کیا جواب ہیں :-

(۱) اس سے قبل حضرت کلمۃ اللہ مسیح علیہ السلام کی والدہ طاہرہ حضرت مریم علیہا السلام کی پیدائش کا ذکر تھا۔ اب حضرت عیسٰے علیہ السلام کے ساتھ یہودیوں کے سازشِ قتل اور خدائے پاک کا اُن کو محفوظ رکھنے کا تذکرہ ہے۔ یہاں چار باتیں بیان ہوئیں۔ وفات، حضرت عیسٰے علیہ السلام کا اٹھانا، کافروں سے محفوظ

رکھنا۔ اور آپ کے متبعین کو کفار پر غلبہ دینا؛

جب یہود نے حضرت مسیح علیہ السلام کے معجزات دیکھ کر یقین کر لیا، کہ یہ ہی وہ پیغمبر ہیں، جن کی تورات میں بشارت دی گئی ہے، تو اپنے دین موسوی کے نسخ اور اپنی حکومت کے زوال کے خوف سے آپ کے درپے آزار ہو گئے، اور آپ کو اور آپ کی والدہ ماجدہ طیبہ طاہرہ کو بر سرِ بازار گالیاں دینے اور عیب لگانے کا وطیرہ اختیار کیا۔ حضرت نے بہت صبر فرمایا، مگر اعوذ باللہ من غضب الحلیم بد دعا فرمائی، تو تمام گستاخ سوّر اور بندر بن گئے۔ بعدازاں کچھ یہود نے اُس وقت کے بادشاہ کو خبر دے کر کہا، کہ اگر کسی وقت انہوں نے تیرے لئے بد دعا کر دی تو تُو ہلاک ہو جاوے گا، اس لئے بہتر ہے، کہ ان کو شہید کرا دیا جاوے۔ چنانچہ ایک منافق نے حیلہ سے قتل کرنے کا وعدہ کیا؛

اُس کا نام ططیانوس تھا، اس نے ایک بار موقعہ پا کر حضرت کے دولت خانہ قیام میں جا کر قتل کا ارادہ کیا۔ مگر دیکھا یہ کہ آپ براستہ چھت آسمان پر تشریف لے گئے، اور یہ دیکھتا رہ گیا۔ واپس آیا تو خود اپنی شکل حضرت مسیح کے مشابہ تھی، اُس کو سُولی دی گئی (دیکھو روح البیان) حضور کی یہ صفت خاص ہے کہ آپ کی ہمشکل کوئی نہیں بن سکتا۔ ورنہ لوگ حضرت سلیمان علیہ السلام اور حضرت مسیح علیہ السلام کی ہمشکل بن گئے۔ البتہ شیطان اپنی آواز حضور کی آواز سے مشابہ کر سکتا ہے۔ جیسا کہ سورۂ والنجم شیطان نے حضور کی طرح پڑھ دی، جس پر یہ آیت نازل ہوئی الا اذا تمنیٰ القی الشیطٰن فی امنیتہٖ (عام تفاسیر)؛

(۲) جن انبیائے کرام کے ولادت وغیرہ میں کچھ عجیب امور تھے، اُن کے قصے قرآن نے بیان فرما دیئے۔ جیسے حضرت ابراہیم و حضرت موسےٰ و عیسےٰ علیہم السلام۔ نیز ان واقعات کو مخالفین نے تو بُری طرح اور معتقدین نے بڑھا چڑھا

کر بیان کرنا شروع کیا، اور جس سے غلط نتیجے لئے گئے، جیسے یہود نے معاذ اللہ حضرت بتول مریم کو تہمتِ زنا لگائی، اور نصرانیوں نے اُن کو خدا کی بیوی قرار دیا، تو ضروری تھا، کہ اُن کے اصل واقعات بغیر افراط و تفریط بیان کئے جاویں، تاکہ غلط فہمی دور ہو، غلط فہمی دور کرنا، اور لوگوں کو سیدھے راہ پر لگانا اسلام کا کام ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش پاک اور رضاعت بلکہ خود حضرت آمنہ خاتون کے نکاح میں بہت عجائب وغرائب ہیں۔ اگر حضرت مسیح نے بچپن میں کلام فرمایا، تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پیدا ہوتے ہی سجدہ کر کے فرمایا رب ھب لی امتی۔ دردِ زہ کے وقت حضرت مریم کی امداد حضرت جبریل نے کی، تو اُس وقت آمنہ خاتون کی خدمت کے لئے خود حضرت مریم اور حضرت آسیہ اور حورانِ بہشتی حاضر ہوئیں۔ کعبہ نے خانۂ آمنہ کو سجدہ کیا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی برکت سے حضرت حلیمہ کی خچر نے حلیمہ کو جواب دیا، کہ مجھ پر ختم المرسلین ہیں۔ یہ ان کی طاقت ہے، کہ میری رفتار تیز ہے (مدارج، مواہب) ✦

مگر ان واقعات کو قرآن نے بیان نہ فرمایا، اس لئے کہ علم الٰہی میں آچکا تھا، کہ قرآن کی طرح محبوبؐ کے واقعات تمام بلا کم و کاست دنیا میں محفوظ رہیں گے، ان میں تحریفاتِ بیہودانہ نہ ہو گی، نیز اُن واقعات سے کوئی قوم ایسے غلط نتائج نہ نکالے گی، جیسے گذشتہ انبیاء کے واقعات سے عیسائیوں نے الوہیت مسیح کا نتیجہ نکالا، اور یہود نے انکارِ نبوت کا۔ نیز قرآن نے پچھلے انبیاء اور اُن کی اُمتوں کے احوال بیان فرمائے۔ قرآن کے بعد کوئی کتاب نہ آوے گی۔ اس لئے ان کے واقعات کون کتاب بتائے۔ خدا کا فضل ہوا کہ ہم آخرِ اُمت ہیں، ورنہ ہماری بُرائیاں پچھلی امتوں کی طرح دنیا میں مشہور ہو جاتیں، ہمارا آخری امت ہونا ہماری پردہ پوشی کا باعث ہوا ✦

(۳) اس آیت کریمہ سے دو گروہ اعتراض کرتے ہیں، مرزائی اور عیسائی۔ مرزائی کہتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ حضرت مسیح وفات پا گئے۔ کیونکہ ترتیب قرآنی میں وفات کا ذکر پہلے ہے اور اٹھانے کا بعد میں متوفیك ورافعك الیّ تو معنے ہوئے کہ ہم آپ کو وفات دیں گے اور پھر روحانی طور پر اٹھائیں گے ؎

عیسائی کہتے ہیں کہ قرآن نے فرمایا کہ حضرت مسیح کے متبعین قیامت تک کافروں پر غالب رہیں گے۔ دیکھو ہم ہی حاکم ہیں اور مسلمان محکوم، جرمنی، فرانس اٹلی، برطانیہ، غرضکہ یہ تمام حکومتیں عیسائی ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ مسلمان کافر ہیں۔ اور عیسائی عیسےٰ علیہ السلام کے سچے متبع، قرآن کا وعدہ ہم پر صادق آرہا ہے ؎

اول کا جواب چند طرح ہے، ایک یہ کہ اگر مان لیا جاوے۔ کہ متوفیك کے معنے موت دینا ہے، تو بھی واو ترتیب نہیں چاہتا، صرف جمعیت کا متقاضی ہے۔ دیکھو قرآن میں ہے واسجدی وارکعی مع الرّاکعین حالانکہ رکوع سجدے سے پہلے ہے، نیز فرمایا خلق الموت والحیٰوۃ حالانکہ موت حیات کے بعد ہے کہ سلب حیات ہے۔ نیز فرمایا خَلَقَکُمْ والذین من قبلکم نیز فرمایا ولقد اوحی الیك والی الذین من قبلك لئن اشرکت الآیہ اِن تمام میں ترتیب بدلی ہوئی ہے۔ دیکھو پچھلے پیغمبروں پر پہلے وحی آئی، مگر آیت میں اُن کا ذکر بعد میں ہے۔ نیز اگر معنے آیت کے وہ ہوں جو مرزائی نے کہے، کہ آپ کو وفات دے کر آپ کی روح کو اٹھائیں گے، تو اس میں حضرت مسیح کی کیا خصوصیت ہے، تمام کی روحیں بعد موت آسمان کی طرف جاتی ہیں، حالانکہ یہ مقام مدح ہے، اور حضرت مسیح کو اطمینان دلانا ہے، کہ یہود اپنے ناپاک ارادوں میں ناکام رہیں گے۔ پھر آیت میں چار جگہ کاف خطاب ہے متوفیك اور رافعك اور مطھرك اور اتبعوك

تین جگہ کاف سے ذات مسیح مراد لینا، اور بیچ میں ایک جگہ روح مراد لینا خلاف فصاحت ہے، نیز مسیح نام ہے جسم، روح کا، اور وہ ہی مخاطب ہیں یا تو عیسےٰ ہیں جس سے خطاب ہے اُسی ذات کو اٹھایا گیا ؛

انی متوفیك میں اشارہ اس جانب ہے کہ اے عیسےٰ ہم تم کو وفات دیں گے، بلا واسطہ قتل وسُولی، اسی لئے وفات دینے کو اپنی طرف نسبت کیا، ورنہ سب کو خدا ہی موت دیتا ہے. نیز اشارہ اس جانب ہے کہ ابھی آپ کی عمر باقی ہے آپ قتل نہیں کئے جا سکتے. ہم آپ کو بقیہ عمر پوری کرا کر وفات دیں گے، ابھی اٹھائے لیتے ہیں ؛

یہ تمام گفتگو اس صورت میں تھی، جب ہم مان لیں، کہ توفّی سے مراد موت دینا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ توفی کے معنے ہیں اخذ الشئ وافیا یعنی کسی چیز کو پورا پورا لینا. اسی لئے کہتے ہیں وفائے عہد، موت کو وفات اسی لئے کہتے ہیں، کہ اس سے زندگی کے ایام پورے ہو جاتے ہیں. اگر توفی سے موت مراد ہو، تو قرینہ کی ضرورت ہوگی، کیونکہ یہ معنے مجازی ہیں، قرآن کریم میں توفی نیند کے معنے اور پورے لینے کے معنے میں استعمال کیا گیا ہے یتوفکم باللیل : فیوفیھم اجورھم وغیرہ. اب معنے یہ ہوئے، کہ اے عیسےٰ اللہ تم کو پورا پورا لے گا. اور اپنی طرف اٹھا لے گا. رافعك سے بتایا گیا، کہ دوسروں کی طرح یہ نہ ہوگا، کہ جسم تو زمین پر چھوڑ دیا جاوے اور فقط روح اٹھا لی جاوے. بلکہ متوفیك پورا پورا لیں گے. تفسیر کبیر جلد دوم صفحہ ۶۸۹ میں ہے وذکر ھذا الکلام لیدل علیٰ انہ علیہ السلام دفع الی السماء بتمامہ بروحہ وجسدہٖ. نیز توفی ایک جنس ہے، جس کی تین قسمیں ہیں، روح قبض کر کے واپس کر دینا، دوسرے روح قبض کر کے روک لینا، تیسرے جسم کو آسمان پر اٹھا لینا، اوّل کو نیند، دوسرے کو

موت، تیسرے کو رفع جسمانی کہتے ہیں۔ تیسرے معنے کو مقرر کرنے کے لئے رافعک زیادہ کیا گیا (تفسیر کبیر) دوسری تفسیر بہتر اور انسب ہے۔ کہ بہت سی آیات اور صدہا احادیث اس کی تائید کرتی ہیں، قرآن فرماتا ہے وان من اھل الکتاب الا لیومنن بہ قبل موتہ، موتہ کی ضمیر بجانب مسیح لوٹتی ہے، معنے یہ ہوئے کہ سارے اہل کتاب حضرت مسیح کی موت سے پہلے اُن پر ایمان لا دیں گے، اور یہ قربِ قیامت ہوگا۔ اور اگر موتہ کی ضمیر جانبِ اہلِ کتاب لوٹے، تو ایمان وقتِ نزع معتبر نہیں، اُس کا ذکر بیکار ہے، دیکھو آیت لیست التوبۃ الآیہ۔ نیز فرمایا ویکلم الناس فی المھد وکھلاً، جیسے گہوارے میں کلام کرنا عیسےٰ علیہ السلام کا ایک معجزہ ہوا۔ اسی طرح بڑھاپے میں کلام کرنا بھی بطور معجزہ چاہئیے۔ وہ یہ ہی ہے کہ آسمان سے آکر کریں، ورنہ صدہا انسان بڑھاپے میں کلام کرتے ہیں، یہاں مقام مدح میں کیوں ذکر ہوا، غرضکہ مرزائی تفسیر محض بے دینی اور الحاد ہے۔ حیات حضرت مسیح کی تفصیلی بحث دیکھو "برق آسمانی برخرمن قادیانی" وغیرہ اور ہماری تفسیر نعیمی جلد سوم میں۔

نیز یہاں رفع سے مراد مراتب کو بلند کرنا مراد لینا یہودیانہ تحریف ہے، کیونکہ جب رفع کا مفعول زمینی جسم ہوں گے، تو اجسام کو ہی اٹھانا مراد ہوگا، رفع ابویہ علی العرش اور ورفعنا فوقھم الطور، قرآن کریم میں ہے وما قتلوہ یقیناً بل رفعہ اللہ الیہ اگر یہاں رفع سے مراد روح یا مراتب کا بلند کرنا ہو، تو قتل کے منافی نہ ہوگا، حالانکہ بل چاہتا ہے کہ مابعد بل کا مضمون ماقبل کے خلاف ہو قتل فی سبیل اللہ تو بلندی درجہ کا سبب ہے، منافی نہیں، کیونکہ شہادت سے درجہ بلند ہوتا ہے۔

ورفعنا لک ذکرک اور ان ترفع فیھا اسمہ میں مفعول زمینی جسم نہیں۔

اور یرفع ابراھیم القواعد من البیت میں ذکرِ تعمیر ہے، جو تعمیر کا اونچا کرنا چاہتا ہے، حدیث میں ہے ثم رفعت الیٰ سدرۃ المنتھیٰ. یہاں بھی رفع جسمانی ہی ہے، نہ کہ روحانی یا بلندیٔ مرتبہ، نیز بل رفعہ اللہ الیہ قصر قلب ہے، اور اس میں یہ شرط ہے، کہ ایک وصف دوسرے وصف کو ملزوم نہ ہو، یہاں قتل فی سبیل اللہ، اور رفعت مراتب لازم و ملزوم ہیں، غرضکہ اس آیت میں رفع سے مراد عیسےٰ علیہ السلام کو آسمان پہ اٹھانا ہے۔

عیسائیوں کے سوال کا جواب یہ ہے، کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے تابعدار حقیقی مسلمان ہیں، اور فوقیت سے مراد دینی فوقیت ہے. اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ شمار کی ابتداء ایک سے اور انتہاء سو پہ ہے. لہٰذا سو خاتم الاعداد ہے. جس کے پاس سو روپے ہو گئے، اُس کے پاس پچاس بھی ہو گئے، ساٹھ بھی اور دس و بیس بھی، مگر جس کے پاس دس ہیں وہ بیس تیس وغیرہ سے محروم ہے. کیونکہ خاتم الاعداد سے محروم ہے، ہمارے پیغمبر خاتم الانبیاء کا دامن تمام انبیاء کا دامن ہے، ان کی اطاعت سارے پیغمبروں کی اطاعت ہے، لہٰذا مسلمان ہی صحیح معنے میں عیسائی موسوی ہیں. غرضکہ از آدم تا حضرت عیسےٰ علیہ السلام سب کا مطیع ہے، مگر جس کے پاس خاتم الانبیاء کی غلامی کا تمغہ نہیں، اُس سے یہ نعمت دُور ہے. قرآن کریم فرماتا ہے فبھدٰھم اقتدہ یعنی اے محبوب اُن تمام انبیاء کی ہدائت کے آپ جامع ہو جائیے، یہ مطلب نہیں کہ آپ انبیاء کی پیروی کریں. ورنہ اقتدھم ہوتا، بلکہ مراد یہ ہے، کہ جو کمالات انبیاء کو فرادیٰ فرادیٰ دیئے گئے، وہ تمام ملا کر آپ کو عطا فرمائے گئے، اسی لئے ضمیر واحد آئی۔

نیز فرمایا گیا ان اولی الناس بابراھیم للذین اتبعوہ وھذا النبی غرضکہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے سچے مطیع صرف مسلمان ہیں. فوق سے مراد

دینی فوقیت ہے، نہ کہ دنیاوی سلطنت، ورنہ اس سے پہلے صدہا سال مسلمانوں کی بادشاہت رہی، اور اب بھی خدا کے فضل سے اسلامی سلطنتیں بہت ہیں، تو کیا پہلے مسلمان حق پر تھے، اور اب عیسائی ہیں یا ہندوستان کے عیسائی حق پر ہیں، اور افغانستان و قسطنطنیہ کے اہل اسلام حق پر ؟

نیز ہندوستان کے وہ چوہڑے چمار جو عیسائی ہو گئے، اُن کو فوقیت کیوں نہ ملی ؟ اُن کی تو یہ حالت ہے، کہ ہاتھ میں جھاڑو اور سر پہ پاخانہ کا ٹوکرہ اور کپڑے و جوتا پھٹے، اور امریکہ وغیرہ ممالک کی خیرات پر ان کا گذارہ، یوروپین عیسائیوں کے ساتھ گرجا میں نہ بیٹھ سکیں، مر جائیں تو اُن کے قبرستان میں دفن نہ ہو سکیں، اُن کے جوتا پر اُن کو جگہ ملے، آخر یہ چوہڑے چمار بادشاہ کیوں نہ بنے ؟

معلوم ہوا کہ فوقیت سے دینی فوقیت مراد ہے۔ اور وہ ہمیشہ مسلمانوں کو ہی حاصل رہی، اور انشاء اللہ تعالےٰ رہے گی۔ وہ اس طرح کہ قبلہ اسلام کعبہ ہے، اور یہود و نصاریٰ کا قبلہ بیت المقدس۔ اب بھی جس قدر دھوم دھام اور رونق کعبہ میں ہے وہاں نہیں۔ کعبہ کا ہر وقت طواف، وہاں ہر سال لاکھوں عاشقوں کا ہجوم ہے، ہر ملک میں جہاز کمپنیاں حج کے لئے بنائی گئیں، بیت المقدس میں ہزارہا انبیائے کرام آرام فرما ہیں، مگر مدینہ پاک میں ایک سید الانبیاء جلوہ گر صلے اللہ علیہ وسلم ؟

مگر ہجوم عاشقاں جو مدینہ میں ہوتا ہے وہ کہیں نہیں۔ حج کے موسم میں چاروں راستے زائرین سے بھرے رہتے ہیں۔ اور تمام منزلیں آباد، تمام غربا مساکین دلشاد، نیز اسلامی کتاب قرآن کریم ہے، اور یہود و نصاریٰ کی کتاب توراۃ و انجیل، مگر جو اشاعت قرآن کریم کی ہے وہ کسی کی نہیں، یہ جو پیسہ

پیسہ کی انجیلیں فروخت ہو رہی ہیں، وہ جھوٹے سچے ترجمہ ہیں، جو عبرانی انجیل آسمان سے اتری، وہ گم ہو چکی، قرآن اصلی رنگ میں ہے، وہ ہی زبان، وہ ہی قرأت جو کہ جبریل امین لائے ؛

قرآن کی ایسی محفوظ اشاعت ہے، کہ اس کا رسم الخط بھی بالکل محفوظ ہے، طریقہ قرأت ایسی محفوظ کہ صدہا اس کے مدارس اب بھی چل رہے ہیں، نیز قرآن کریم کے بے شمار حافظ، توراۃ، انجیل اور وید وغیرہ کا ایک بھی حافظ نہیں، قرآن کی بے شمار تفاسیر، مگر ان کتب کی کوئی تفسیر نہیں، قرآن نے دنیا میں آکر یکصدی کے اندر ساری دنیا میں اپنا سکہ جمالیا، کہ ہر جگہ پہنچ گیا، مگر ان کتب کی ایسی سست رفتار کہ اب تک بھی دنیا کا گشت نہ لگا سکیں۔ بقول ہنود وید کو دنیا میں آئے دو کروڑ سال ہوئے، مگر ایسی سست رفتار کہ اتنی مدت میں ہندوستان کا پورا چکر نہ لگا سکا ؛

سؤر بہت سی قومیں کھاتی ہیں، مگر گائے بکری وغیرہ مسلمان کھاتے ہیں، جو برکت ان میں ہے، وہ خنزیر میں نہیں، جس قدر مارکیٹ گائے کے گوشت کے ہیں، اُن سے چہارم بھی خنزیر کے نہیں، اسلام نے جس چیز پہ ہاتھ رکھ دیا، اُسے بھی عروج مل گیا ؛

عیسائی یہ بھی اعتراض کرتے ہیں، کہ حضرت مسیح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے افضل ہیں، کہ مسیح آسمان پہ ہیں، اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرش پر حضرت مسیح زندہ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام وفات پا چکے۔ یہ ہی سوال قادیانی مرزا بھی کرتا ہے۔ مگر یہ سوال محض جہالت ہے، آسمان پہ رہنا، اور عمر دراز ہونا دلیل افضلیت نہیں، ورنہ ستارے اور درخت، برگد اور سانپ، انسان سے افضل ہوں گے۔ کہ تارے آسمان پہ ہیں، اور برگد اور گدھ اور سانپ کی عمریں

بہت زیادہ ہیں، حالانکہ انسان اشرف المخلوقات ہے، نہ یہ آسمان پر رہتا ہے، اور نہ اس کی عمر ہزار در ہزار سال کی، موتی پانی کے نیچے رہتا ہے، اور حباب اوپر مگر موتی افضل ہے ؎

کسے بگفت کہ عیسےٰ ز مصطفےٰ اعلےٰ است ॥ کہ او بزیرِ زمیں آں بہ اوجِ سما است
بگفتمش کہ نہ ایں حجت قوی باشد ॥ حباب بر سرِ آب و گہر تہِ دریا است

نیز ایک افسر کو سلطان نے حکومت کے انتظام کے لئے بھیجا، مگر رعایا نہ دبی، بلکہ افسر کو قتل کرنے کی تدبیر کرنے لگی، سلطان نے افسر کو اپنے پاس بلا لیا، کہ اُسے کوئی نقصان نہ پہنچا۔ پھر دوسرا افسر بھیجا گیا، جس نے تمام باغی اور سرکشوں کو تابع کر لیا، اُس کو حکم دیا، کہ تم وہاں رہو، اور حکومت کئے جاؤ۔ ظاہر ہے کہ دوسرا افسر پہلے افسر سے افضل ہوگا، کہ اُس سے نظام خوب ہؤا ॥

حضرت مسیح کا آسمان پر جا کر عہدِ مصطفےٰ کی امن میں فرش پر تشریف لانا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عرشی مہمان بن کر جانا اور وہاں دھوم دھام ہونا پھر سرکشوں کی سرکوبی کے لئے دنیا میں واپس آنا اور فرش پر جلوہ گر رہنا ان میں بڑا فرق ہے ؎

طور اور معراج کے قصے سے ہوتا ہے عیاں ॥ اپنا جانا اور ہے اُن کا بلانا اور ہے

بلکہ حقیقت یہ ہے، کہ حضرت مسیح علیہ السلام کا پھر تشریف لانا اُس میثاق پر عمل ہے کہ واذ اخذ اللہ میثاق النبیین الآیہ رب تعالےٰ نے سارے پیغمبروں سے عہد لیا تھا، کہ اگر نبی آخر الزمان کا زمانہ پاؤ، تو اُن کی اطاعت کرنا۔ عیسےٰ علیہ السلام اپنے اصیل اور دوسرے سارے پیغمبروں کے وکیل ہو کر دینِ محمدی کی پیروی کرنے آئیں گے ॥

۹۲ — ۴۸۶

وَإِذْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ قَالَ ءَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ إِصْرِيْ قَالُوْٓا أَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوْا وَأَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ٥

اِس آیت کریمہ میں اُس عہد و پیمان کا ذکر ہے، جو رب العالمین نے انبیاء کرام سے لیا۔ اس جگہ دو تین امور قابل ذکر ہیں۔ آیت کا اصل مطلب اور واقعہ کیا ہے۔ اِس میں نکات کیا ہیں، ان میں اعتراض کیا ہیں، اور ان کا جواب کیا؟

(۱) اصل واقعہ یہ ہے۔ کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر بھیجا گیا تو آپ کو کولمبو کے پہاڑ سراندیپ پر اتارا گیا، اور حضرت حوّا کو مقام جدّہ میں۔ غالباً اُس کو جدّہ اسی لئے کہتے ہیں، کہ وہاں دادی صاحبہ کا نزول ہوا۔ تین سو سال تک عفو خطا کے لئے گریہ زاری فرماتے رہے، اُس زمانہ کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام یاد آیا، جو پیدا ہونے کے وقت ساق عرش پر لکھا دیکھا تھا، اُس کے وسیلہ سے دعا کی، قبول ہوئی۔ یہ مراد ہے آیت فتلقیٰ آدم من ربہ کلمٰت سے ہے

اگر نام محمدؐ را نہ آوردے شفیع آدم ✽ نہ آدم یافتے توبہ نہ نوح از غرق نجیٰنا

بعد قبولِ توبہ مقام عرفات میں حضرت حوّا سے ملاقات ہوئی۔ اسی لئے اس کو عرفات کہتے ہیں، کہ یہاں حضرت آدم و حوّا کی معرفت و پہچان ہوئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہندوستان اصل میں اسلام استان ہے، کہ اسلام کے پہلے نبی یہاں آئے۔ اور حضرت شیث علیہ السلام کا مزار شریف بھی اجودھیا

ضلع فیض آباد میں ہے۔ نیز علماء و مشائخ اور علم میں یہ ملک کسی سے پیچھے نہ رہا۔ مصنفین، فقہاء، محدثین سرزمینِ ہند میں بے شمار پیدا ہوئے۔ لیکن اس کو ہندوستان اس لئے کہا گیا، کہ ہندو کے معنے ہیں چور و ڈاکو، حافظ شیرازی کہتے ہیں ؎

اگر آں ترک شیرازی بدست آرد دلِ ما را
بخالِ ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را

ستان معنے جگہ، معنے ہوئے ڈاکوؤں کی جگہ۔ اسلامی سلاطین غزنی سے آئے، اُن کے ملک میں اسلامی سزاؤں کی وجہ سے چوری وغیرہ کا نام نہ تھا، یہاں آ کر چوری دیکھی، کہا کہ ڈاکوؤں کا ملک ہے ؛

پھر نعمان پہاڑ پر حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے تمام ارواح نکال کر اُن سے تین عہد لئے، ایک یہ کہ الست بربکم، یہ عہد تمام سے لیا گیا، دوسرا علما سے کہ تم احکام الٰہیہ نہ چھپانا، من و عن تبلیغ کر دینا، تیسرا انبیائے کرام سے، اس آیت میں اس تیسرے عہد کا ذکر ہے، کہ اے گروہِ انبیاء اگر دنیا میں تم اس پیغمبر آخرالزماں کا زمانہ پاؤ، تو اُن پر ایمان لانا، اس میثاق کا یہ اجمالی بیان ہے ؛

(۲) اس آیت میں چند نکات ہیں، ایک یہ کہ یہاں میثاق فرمایا نہ عہد یا وعدہ چھ چیزیں قابلِ فرق ہیں۔ اقرار دعوے، وعدہ، عہد، میثاق، اِصر، گذشتہ بات کو اپنے ذمہ میں ماننا اقرار ہے، جیسے اقرار قرض۔ گذشتہ بات دوسرے کے ذمہ ڈالنا دعوے کہلاتا ہے۔ جیسے دعوے قرض، آئندہ کے متعلق کسی کے لئے کوئی شے اپنے ذمہ میں ماننا وعدہ ہے، مگر اس میں شدت نہیں، زبانی وعدہ ہے یاد رہا تو پورا کر دیا ورنہ خیر، اگر وعدہ میں حفاظت کا خیال رکھ لیا، کہ لکھوا لیا یا کسی اور طرح تو وہ عہد ہے، عہد کے معنے ہیں حفاظت، چونکہ اس وعدے کی حفاظت کر لی گئی، اس لئے اس کا نام عہد رکھا گیا۔ اگر اور بھی زیادہ مضبوط کر لی گئی، کہ گواہ

بھی بنالئے، عہدنامہ کی رجسٹری بھی کردی، تو ہؤا میثاق، وثوق کے معنے ہیں مضبوطی اگر اس عہد پر کچھ بوجھ بھی ڈالا گیا، کہ اگر اس وعدے کی مخالفت کی، تو یہ سزا ہوگی تو ہؤا اِصر۔ اِصر کے معنے ہیں بوجھ، اس عہد میں چونکہ بہت پختگی کی گئی تھی کہ نبیوں کی گواہی اور اس پر شاہی گواہی خود رب تعالےٰ کی ہوئی۔ اس لئے فرمایا گیا میثاق یعنی ہم نے پیغمبروں سے وعدہ نہیں، صرف عہد نہیں بلکہ میثاق لیا ؞

النبیین میں دو قول ہیں، ایک یہ کہ یہ عہد صرف انبیاء سے تھا، دوسرا یہ کہ انبیاء سے بھی تھا اور اُن کی امتوں سے بھی۔ جو لوگ اس عہد میں امتوں کو بھی شامل کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ انبیاء نے اپنی اپنی امتوں کی طرف سے نمائندگی فرماکر جواب دیا، جیسے نماز میں صرف امام قرأت کرتا ہے، مگر مقتدیوں کی طرف سے نمائندہ ہوکر، اور اٰتیتکم من کتٰب وحکمۃ چونکہ امتوں کو بواسطۂ انبیاءؑ کتابیں عطا ہوئیں، اس لئے اُن سے یہ خطاب کیا گیا ؞

اُن کی دلیل یہ ہے، کہ خدا تعالےٰ کے علم میں تھا کہ ان انبیاء میں سے کوئی نبی حضور کا زمانہ نہ پاوے گا، پھر اُن سے عہد لینا بیکار تھا، ہاں چونکہ اُن کی امتیں نبی آخر الزمان کا زمانہ پائیں گی، اس لئے اُن سے عہد لینا مفید ہے۔ نیز آگے ارشاد ہے فمن تولّٰی بعد ذٰلك فاولٰٓئك هم الفٰسقون ۝ اور انبیائے کرام سے بدعہدی ناممکن ہے، کہ وہ معصوم ہیں، لہٰذا نبیوں سے یہ کیونکر فرمایا جاسکتا، کہ جو کوئی بدعہدی کرے گا، وہ مجرم ہوگا، جن کا خیال ہے، کہ صرف نبیوں سے عہد لیا گیا، وہ فرماتے ہیں، کہ النبیین میں امتوں کو شامل کرنا بلا دلیل ہے۔ یہ عہد اظہارِ عظمتِ مصطفےٰ کے لئے تھا، خواہ انبیاء کرام زمانہ پائیں یا نہ پائیں، مگر اس عہد لینے سے عظمت کا اظہار تو ہوگیا، کہ اللہ اکبر یہ ایسے جلیل القدر نبی ہیں۔ کہ رب تعالےٰ نے اپنی ربوبیت اور ان کی رسالت کا عہد لیا۔ نیز

نمازِ معراج میں ان کی اطاعت اور حضور کی پیشوائی کا اظہار فرمایا۔ نیز حضرت عیسٰے علیہ السلام آسمان سے اترنے کے بعد اطاعتِ مصطفٰے علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمائیں گے۔ نیز یہ قضیہ شرطیہ ہے۔ جو امکان مقدمتین کو نہیں چاہتا، اگرچہ انبیاء سے بدعہدی ناممکن ہے، لیکن یہ فرمانے میں کوئی حرج نہیں۔ جیسے لئن اشرکت لیحبطن عملک۔ تمام روحوں سے اپنی ربوبیت کا اقرار کرایا، حالانکہ بعض روحیں وہ ہیں، جو ماں کے پیٹ میں آکر ہی واپس جائیں گی، بعض بچپن میں مرجائیں گے بعض دنیا میں دیوانہ ہوکر رہیں گے، جو نہ خدا کو پہچانیں، نہ نبی کو، نہ احکام کے مکلف، بچپن کا پہچاننا شرعاً معتبر نہیں، ورنہ کفار کی اولاد تمام کی تمام مرتد ہوا کرے کہ مسلمان پیدا ہوئے، بعد میں کافر ہوئے، حدیث میں ہے کہ بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، نیز قرآن میں ہے فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا، غرضکہ اس عہد میں عظمت حضور کا اظہار ہے۔

اس جگہ نبیین فرمایا، رسل یا مرسلین نہ فرمایا، کیونکہ نبی رسول و مرسل سے عام ہے، عام میں خاص داخل ہے عکس نہیں۔ چونکہ محکمۂ نبوت کے تمام درجوں کے افراد کو شامل کرنا منظور تھا، لہٰذا عام لفظ فرمایا۔ اس آیت سے معلوم ہوا، کہ اگر کسی نبی کو نبوت مل چکنے اور کتاب و علم عطا ہو جانے کے بعد بھی حضور کا ظہور ہو جاتا، تو فوراً اُن کی کتاب اور نبوت منسوخ ہو جاتی، جیسے آفتاب کے ظہور پر جو بھی تارا جہاں ہو چھپ جاتا ہے، بیچ آسمان میں ہو یا مشرق و مغرب میں اسی طرح جو نبی جس حال میں ہو، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جلوہ گری پر اُن کی نبوت منسوخ ہو جاوے گی، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تشریف آوری پر تمام انبیاء کی شریعتیں کیوں منسوخ ہوتی ہیں؟ چند وجوہ سے۔ اولاً اس لئے کہ حضور علیہ السلام اصل ہیں اور سب نائب۔ اصل کے آتے ہی نیابت ختم۔ دوم اس لئے

کہ تمام حضور کی چمک سے چمکے تھے۔ اور ہر چیز اپنے مرکز پر پہنچکر قرار پا جاتی ہے جیسے دریا سمندر پر پہنچکر ع یک چراغ ست کزو انجمنے ساختہ اند ؟

اگر عین جماعت کی حالت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لے آویں تو اُسی وقت سے حضور امام ہیں، پہلے امام کی امامت منسوخ، جیساکہ حضرت صدیق کے فعل سے ثابت ہوُا۔ کہ آپ امام تھے، حضور تشریف لائے، تو فوراً آپ مقتدی ہو کر پیچھے ہٹ گئے، اس سے ثابت ہوُا، کہ حضور نبی الانبیاء ہیں ؟

قال ءاقررتم اس کلام پر انبیاء کو جواب دینے کا موقعہ بھی نہ دیا گیا، بلکہ فوراً فرمایا گیا، کہ کیا آپ لوگوں نے اس کا اقرار کر لیا۔ اس میں چند وجوہ سے تاکید ہے، اولاً تو اس طرح کہ امر اور عہد میں فرق ہوتا ہے، کہ امر کو مامور نے سُن لیا کافی ہے، مگر عہد میں مامور کا منہ سے بولنا ضروری ہے، منہ سے بلوایا گیا، تاکہ معلوم ہو، کہ یہ محض امر نہیں، بلکہ اقرار ہے۔ دوم اس جگہ یہ سوال رب کے علم کے لئے نہیں، وہ تو علیم ہے، بلکہ اظہارِ اطاعتِ انبیاء ہے ؟

شاگرد استاذ سے پوچھتا ہے علم حاصل کرنے کے لئے، استاذ شاگرد سے سبق پوچھتا ہے طالب علم کی محنت معلوم کرنے کو، کبھی کسی کے سامنے استاذ امتحان لیتا ہے اُس کی قابلیت لوگوں پر ظاہر کرنے کو، سوم اس جگہ صرف بلیٰ نہ کہا گیا، بلکہ اُن کے منہ سے کہلوایا اقررنا زیادتی اہتمام کے لئے، جیساکہ ایجاب وقبول نکاح میں قبلت کہلواتے ہیں، صرف ہاں پر کفایت نہیں کرتے۔ پھر بعض انبیاء کو بعض پر گواہ بنایا، اور اپنی شاہی گواہی بھی مقرر فرمائی۔ اسی لئے معکم فرمایا۔ تاکہ معلوم ہو، کہ اصل گواہ تم ہو، ہم تو تمہاری گواہی پر گواہ ہیں۔ جیسے سلطان گواہ بھی ہو اور حاکم بھی ؟

(۳) اس آیت میں چند سوالات ہیں، ایک یہ کہ جب یہ عہد یاد ہی نہ تھا

تو بیکار ہوا، جواب یہ ہے، کہ بیکار جب ہوتا کہ نہ کسی کو یاد رہتا، نہ یاد دلایا جاتا، مگر جب انبیاء نے یاد دلا دیا، مفید ہوا۔ تمام محکموں میں عہد یاد دلانے کے لئے قاعدے رکھے جاتے ہیں، تحریر، رجسٹری، گواہ وغیرہ، تو کیا وہ عہد بیکار ہیں۔ انسان ہمیشہ پرانی بات بھول جاتا ہے، شکمِ مادر میں رہنا، بچپن میں ماں کا پالنا کچھ بھی یاد نہ تھا، ماں نے یاد دلا کر حقِ خدمت ثابت کیا۔ ایسے ہی پیغمبروں اور اللہ تعالیٰ کی کتابوں نے سب کو یہ عہد یاد دلایا۔ بچہ جب پیدا ہوتا ہے، تو اس کو یہ عہد یاد ہوتا ہے اسی عہد پر قائم ہوتا ہے، اسی لئے خاموش ہوتا ہے، اور عالمِ ارواح سے آنے پر گریہ زاری کرتا ہے۔ یا کہ مَسِ شیطان سے، مولانا فرماتے ہیں ؎

بشنو از نے چوں حکایت می کند ٭ واز جدائی ہا شکایت مے کند

دوسرا سوال یہ ہے، کہ اس آیت سے حضور کی افضلیت ثابت نہیں ہوتی اس لئے کہ النبیین میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی شامل ہیں، جیسا کہ دوسری آیت میں ہے واذ اخذ نا من النبیین میثاقھم ومنك ومن نوحٍ الآیہ (احزاب) معلوم ہوا کہ دیگر انبیاء سے عہد لیا گیا، کہ اگر تم کسی نبی کا زمانہ پاؤ، تو اُن پر ایمان لانا، اور حضور علیہ السلام سے بھی عہد لیا گیا، کہ اگر آپ کسی نبی کا زمانہ پائیں، اُن پر ایمان لائیں۔ لہٰذا اس آیت سے افضلیتِ حضور ثابت نہیں ہوتی ٭

اس کا جواب یہ ہے، کہ اس آیت کے دو لفظ بتا رہے ہیں، کہ یہ عہد حضور سے نہیں تھا، بلکہ حضور کے لئے تھا، اول تو مصدق لما معکم دوسرا لتؤمنن بہ، کیونکہ ماعموم کے لئے ہے، اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سوا ساری کتابوں کی تصدیق کرنا، کوئی نبی نہ آیا، کیونکہ حضور علیہ السلام آخری نبی ہیں۔ جمیع انبیاء اپنے ہم زمانہ اور اگلے انبیاء کے مصدق تھے اور پچھلوں کے

بشّر، حضور کسی نبی کے بشر نہیں. کہ بشارت تو آئندہ نبی کی ہوتی ہے. اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سب سے آخری نبی ہیں۔ ثابت ہوا کہ اس عہد میں حضور علیہ السلام داخل نہیں. نیز ہم زمانہ نبی اپنے ہم زمانہ دوسرے نبی کے وزیر تھے، جیسے حضرت یحییٰ وحضرت ہارون، حضرت موسٰے وعیسٰے علیہم السلام کے وزیر تھے. اور وزیر سے سلطان اعلےٰ ہے. مگر یہاں تو حضور پر ایمان لانا ضروری ہے، یہ بات صرف حضور ہی میں ہے کہ سب کے مصدق ہیں. اور سب کے ایمان فرماتے ہیں لو کان موسیٰ حیًّا ماوسعہٗ الا اتباعی. نیز معترض کے قول پہ دَور لازم آتا ہے. کہ دو ہم زمانہ نبی ایک دوسرے سے افضل ہوں، کہ ان میں سے ہر ایک کو حکم ہوگا کہ دوسرے نبی پہ ایمان لاؤ، اور اس کے مومن بنو ؛

تیسرا اعتراض یہ ہے، کہ خدا کے علم میں تھا، کہ اِن تمام گروہِ انبیاء میں سے کوئی حضور کا زمانہ نہ پاوے گا. پھر عہد لینے سے کیا فائدہ ؟

اِس کے دو جواب تو وہ ہیں جو اوپر مذکور ہوئے. تیسرا جواب یہ ہے، کہ احکامِ شرعیہ میں یہ قاعدہ ہے، کہ اگر موقعہ ملے، اور شرائطِ وجوب پائے جاویں تو عمل ضروری ہے. ورنہ ان کا اعتقاد لازم، زکوٰۃ وحج وغیرہ کے شرائط پورے ہوں، تو اُن پر عمل کرو، ورنہ صرف اعتقادِ فرضیت کافی ہے. معراج میں پچاس نمازیں فرض ہوئیں، ۴۵ نمازیں عمل سے پہلے ہی منسوخ ہوگئیں۔ امہات المومنین کا مسلمانوں پر حرام ہونا صرف عقیدتًا رہ گیا، ورنہ اس پہ عمل اب ناممکن ہے، کیونکہ ہم اُن کے صدیوں بعد پیدا ہوئے ؛

اسی طرح آیاتِ منسوخہ پہ عقیدے رکھنے اور تلاوت کے لئے باقی رکھی گئیں، ورنہ حکم منسوخ. اسی طرح جن انبیاء کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا زمانہ نہ ملا، وہ اس عقیدے پہ قائم کر دئے گئے. کہ اگر ہم ان کا زمانہ پاتے ایمان لاتے

اور تمامی امم کے لئے حضور علیہ السلام کی عظمت اور نبی الانبیاء ہونے کا عقیدہ ضروری ہوگیا۔ اسی لئے تمام کتب میں اس واقعہ کا ذکر ہؤا۔ غرضکہ قانوناً یہ حلفِ وفاداری ہؤا ؎

سبحان اللہ اس حلف کا مضمون کیسا پیارا ہے۔ وہ نظارہ قابلِ دید ہوگا، انبیاء کا مجمع ہے، سامنے منبر پر ایک سیاہ گیسو والا محبوب جلوہ گر ہے رب تعالیٰ اس مقدس گروہ سے عہد و پیمان لے رہا ہے۔ کہ جماعت پیغمبر ہم نے تمہیں نبوت کی امانت کے لئے منتخب کیا ہے، تمہارے سر پر رسالت کا تاج رکھیں گے، اپنے بندوں سے تمہارا کلمہ پڑھوائیں گے، مگر ہم سے ایک عہد کرلو وہ یہ کہ دیکھو تمہارے سامنے وہ کالکوں والا ہمارا پیارا جلوہ گر ہے۔ اسے پہچان لو، جب دنیا میں تمہارا ڈنکہ بج رہا ہو، منبروں پر تمہارے خطبے پڑھے جارہے ہوں، تمہارے ماننے پر لوگوں کی نجات کا مدار ہوگا۔ عین اُسی عروج کی حالت میں اگر یہ محبوب دنیا میں جلوہ گر ہوجاوے، تو تم اس پیارے پر ایمان لانا، ان کی خدمت کرنا، جواب کا موقعہ نہ دینا، فرمایا کہو، اقرار کرتے ہو؟ اس بوجھ کو اٹھالوگے؟ سب نے یک زبان ہوکر عرض کیا، مولےٰ! اقرار کرتے ہیں، فرمایا اچھا، آپس میں ایک دوسرے پر گواہ ہوجاؤ۔ حضرت آدم تو نوح و ابراہیم و موسےٰ علیہم السلام پر اور یہ حضرات اُن پر، اور تمہاری گواہی پر ہماری شاہی گواہی ہے، سبحان اللہ ؎

۹۲ — ۸۶

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِينَ ۝ فِيهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ إِبْرٰهِيمَ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؎

اس آیت کریمہ میں تین امور قابلِ غور ہیں۔ اس کا تعلق گذشتہ آیات سے

کیا ہے ؟ اِس کا نزول کس موقعہ پہ ہوا ؟ اس سے مسلمانوں کو کیا سبق ملا ؟

(۱) گذشتہ میں ذکر ہوا تھا لن تنالوا البر حتّٰی تنفقوا مما تحبون ٥ جس سے معلوم ہوا، کہ رضائے الٰہی اور قرب الٰہی پیاری چیزوں کے خرچ سے ہی ہوتی ہے. جان، مال، اولاد ہر چیز خرچ کرو ؎

ہرچہ داری صرف کن در راہِ او ٭ لن تنالوا البر حتّٰی تنفقوا

اور حج میں محبوب مال بھی خرچ ہوتا ہے، اور جان بھی، کہ ترکِ آرام، ترکِ وطن ترکِ اولاد سب ہی کرنا پڑتا ہے، اس لئے حکمِ حج، حکمِ صدقہ کے بعد فرمایا گیا. نیز اس سے متصل حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر ہوا. اب کعبہ کا یعنی بانی کے بعد بناء کا ذکر، غرضکہ آیت پوری طرح ماقبل سے تعلق رکھتی ہے ٭

(۲) تحویل قبلہ کے وقت یہود و نصارٰے نے شور مچایا، کہ افضل قبلہ یعنی بیت المقدس کو چھوڑ کر ادنٰے قبلہ کعبہ کو اختیار کیا، اس لئے کہ دنیا کا پہلا گھر بیت المقدس ہے، انبیائے کرام کا ہجرت گاہ رسولوں کا آرامگاہ ہے. یہ ہی محشر کے قیام کی جگہ ہے، کعبہ معظمہ میں یہ صفات نہیں، پھر افضل کو کیوں چھوڑا؟ افضل قبلہ کی طرف نماز بھی افضل ہوتی ہے ٭

یہاں ان تمام دلائل کا جواب نہایت متانت سے دیا گیا ان اول بیت میں پہلے اعتراض کا جواب ہے، اور فیہ اٰیٰت بینٰت میں باقی کا، یعنی پہلا گھر جو دنیا میں بنا وہ کعبہ ہی ہے. کعبہ کی اولیت چند طرح ہے، اولًا تو اسی جگہ سے زمین بنی، پانی پہ یہاں ہی جھاگ پیدا ہوئی، پھر آسمان بنا، پھر اس جھاگ کو پھیلایا گیا. یہ جھاگ ہی اصل زمین ہے. اسی لئے مکہ مکرمہ کو ام القرٰی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اُمّی یعنی مکی کہتے ہیں، کہ ماں کی طرح یہ شہر دنیا کی اصل ہے، اور باقی دنیا اولاد کی طرح فرع ٭

دوم، اس لئے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی خلقت سے دو ہزار سال پیشتر زمین کے فرشتے یعنی ملائکہ مدبرات امر جو زمین کے انتظام کے لئے یہاں مقیم تھے زیارت اور حج کے لئے اس جگہ انہوں نے بحکم الٰہی عمارت بنائی مقابل بیت المعمور کے (روح البیان یہ ہی مقام) پھر حضرت آدم علیہ السلام کے طواف اور عبادت کے لئے جنت سے ایک مکان آیا، جو طوفان نوحی میں اٹھا لیا گیا، سوائے سنگِ اسود کے (بخاری) پھر ابراہیم علیہ السلام نے بحکم الٰہی یہاں عمارت بنائی۔ اور یہ کعبہ انہیں کا کہلایا۔ نیز یہ جگہ بالکل وسط زمین میں ہے۔ اسی لئے کعبہ کو نافِ زمین بھی کہتے ہیں۔ جیساکہ حدیث میں ہے۔ نیز تفسیر حقانی نے بقاعدۂ علمِ ہندسہ ثابت کیا کہ کعبہ معظمہ دنیا کے بالکل بیچ میں ہے۔ حدیث میں ہے کہ بیت المقدس کی تعمیر کعبہ سے چالیس سال بعد میں ہوئی، پھر زمانہ سلیمانی میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی نگرانی میں جنات نے تعمیر کیا، قرآن کریم میں ہے یعملون له مایشاء من محاریب (روح البیان) بیت المقدس کو بنانے والے جنات، بنوانے والے حضرت سلیمان علیہ السلام۔ مگر کعبہ معظمہ کی تعمیر کا آمر اللہ، اس کے انجنیئر حضرت جبریل، روح اللہ اور تعمیر فرمانے والے خلیل اللہ، اُن کے مددگار ذبیح اللہ، اُس کو آباد فرمانے والے حبیب اللہ محمد رسول اللہ علیہم السلام، لہٰذا سمجھنا چاہئے، کہ یہ تعمیر کیسی ہوگی۔ یہود کے پہلے اعتراض کا جواب تو ان اوّل بیت میں دیا گیا، باقی کا فیہ اٰیٰت میں۔

بیشک بیت المقدس آرامگاہِ انبیاء ہے، مگر مکہ مکرمہ ولادت گاہِ سیّد الانبیاء اور پایۂ تخت وہ ہی ہے جہاں بادشاہ رہے، اگرچہ دیگر وزراء و حکام کا اور جگہ اجتماع ہو، بے شک ملک شام محشر کی جگہ ہے۔ مگر دنیا کی ابتدا یعنی روحوں سے میثاق لینا حضرت آدم و حوّا کی ملاقات یہاں کعبہ عرفات میں ہوئی، تو عالم

انسانی کے ابتدائی واقعات حجاز میں ہوئے، اور انتہائی بیت المقدس میں ہوں گے۔ اور مبدا معظم ہونا چاہیئے۔ سلطنت ملنے کی خوشی منائی جاتی ہے، نہ کہ ختم ہونے کی ؛

مکہ کے معنے ہیں ہجوم یا گردن کچلنا۔ اول معنے سے مکہ مکرمہ کو اس لئے بکہ کہتے ہیں۔ کہ یہاں حاجیوں کا ہجوم ہوتا ہے۔ ثانی اس لئے کہ جو اس پر حملہ کرے، اس کو تباہ کر دیا جاتا ہے۔ جیسے کہ اصحاب فیل۔ مگر حجاج اور یزید اس لئے ہلاک نہ ہوئے کہ انہوں نے کعبہ پر حملہ نہ کیا تھا بلکہ حضرت عبد اللہ ابن زبیر واہل مکہ پر، خانہ کعبہ دنیاوی لحاظ سے اس طرح مبارک ہے کہ باوجود کھیتی نہ ہونے کے وہاں ہر چیز ملتی ہے۔ اور سب پھل پہنچتے ہیں۔ دینی لحاظ سے اس طرح کہ وہاں ایک نیکی کا ثواب ایک لاکھ ہے۔ غرضکہ دنیاوی و دینی برکتوں کا مرکز ہے

اس کعبہ معظمہ میں اتنی خصوصیات اور آیات ہیں۔ یہاں[1] مقام ابراہیم ہے، جس نے حضرت خلیل کے قدم اپنے میں محفوظ کئے۔ اس[2] کا حرم ہے۔ یہاں[3] تا قیامت حج ہوتا رہے گا۔ یہاں امن ہے یا تو دجال سے یا وبائی امراض سے یا جذام سے یا عذاب الٰہی سے یا قاتل کو قصاص سے یا شکاری جانوروں کو شکار سے اور خود رو درختوں کو کاٹنے سے یہاں تک کہ اس مقام حرم میں ہرن اور گرگ ایک جگہ آرام کرتے ہیں۔ جانور باہر سے بھاگتا آتا ہے مگر یہاں آکر بے خوف ہو جاتا ہے ؛

نیز پرندے صف باندھ کر اوپر خانہ کعبہ کے نہیں گذرتے بلکہ دائیں بائیں پھٹ جاتے ہیں، جو پرندہ بیمار ہو، وہ اس پہ آکر بیٹھتا اور شفا حاصل کرتا ہے۔ حضرت مسیح ذبیح اللہ کی سخاوت کا زمزم یہاں سے دنیا بھر میں پہنچتا ہے، جس میں امراض سے شفا ہے، مختلف اوقات میں اس کی مختلف لذتیں ہیں، اور برتن میں بند رہ کر بگڑتا نہیں۔ ان میں سے ایک بات بھی بیت المقدس میں نہیں۔ وہاں سنگ اسود ہے جو جنتی پتھر ہے۔

اس چند امور معلوم ہوئے۔ ایک یہ کعبہ معظمہ بہترین لوگوں کا مقام حج ہے۔

مگر قبر انور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم ملائکہ کا مقام حج، یہاں ایک سال میں ایک بار فرشی حج کرتے ہیں۔ مدینہ پاک میں ہر تاریخ کو دو بار عرشی حج کرتے ہیں۔ حدیث میں ہے صبح و شام ستر ہزار فرشتے درود و سلام کے لئے حاضر ہوتے ہیں، جو ایک بار آ گئے، وہ قیامت تک دوبارہ نہیں آ سکتے۔ میزاب رحمت بالکل روضہ کے مقابل ہے۔ وہ بھی حاجیوں کو مدینہ کا راستہ دکھا رہا ہے۔ جیسے گلی کی دوکان کو سڑک پر لکڑی کا ہاتھ دکھاتا ہے۔ گویا کعبہ حاجیوں کو اشارہ کر رہا ہے۔ کہ گھر تو دیکھ لو۔ دیکھو دولہا وہ مدینہ میں سو رہا ہے ؎

غور سے سن تو رضا کعبہ سے آتی ہے صدا
میری آنکھوں سے مرے پیارے کا روضہ دیکھو

نیز دنیاوی معاملات میں کسی کی رعایت کرنا شرافت ہے، مگر دینی امور امر میں رعایت کرنا ضعف ایمانی ہے۔ اگر کوئی اپنی ذات یا اپنے گھر یا اپنی چیز کو ہماری ذات یا گھر وغیرہ سے اچھا کہے، ہم اس سے نہ لڑیں گے۔ لیکن اگر اپنے دین کو ہمارے دین سے یا اپنے نبی کو ہمارے نبی سے افضل کہے، تو اس پہ خاموش ہونا جرم ہے۔ کہ بنی اسرائیل نے بیت المقدس کو کعبہ سے افضل کہا، جواب دیا گیا، کہ ہرگز نہیں، کعبہ افضل ہے۔ قادیانی جو زمین قادیاں کو حرم سے بڑھ کر جانتے ہیں کہتے ہیں ؎

زمین قادیاں اب محترم ہے ؛ یہاں کی ہر گلی رشک حرم ہے

بے ایمان ہیں۔ کہ جب بیت المقدس جہاں ہزارہا انبیاء آرام فرما رہے ہیں، وہ زمین مکہ سے نہ بڑھی، تو زمین قادیاں جہاں دجال قادیانی پیدا ہوا، کس طرح حرم کے مقابل ہو سکتی ہے۔ نیز قادیانیوں نے قادیان میں بہشتی مقبرہ بنایا، جس میں قبروں پر روپیہ وصول کرتے ہیں، اور مثل خوجہ جنت فروخت کرتے ہیں۔ بیدین

ہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا، کہ اسلام میں جیسے تمام اسلامی چیزوں کا ماننا ضروری ہے، اُسی طرح اُن میں فرقِ مراتب ماننا بھی لازم ہے تلك الرسل فضلنا بعضهم علیٰ بعض۔ گر فرقِ مراتب نہ کنی زندیقی۔ جو شخص تمام انبیاء کو درجہ میں برابر مانے وہ اور جو کسی نبی کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بڑھ کر مانے دونوں بے دین ہیں اسی طرح مراتبِ صحابہ میں اگر کوئی کسی صحابی یا اہل بیت کو حضرت صدیق سے افضل یا برابر مانے گمراہ ہے، بلکہ ترتیب یہ ہے افضل البشر بعد الانبیاء بالتحقیق ابو بکر الصدیق ثم عمر ثم عثمان ثم علی ثم و ثم، جیسے بیت المقدس کو کعبہ سے افضل ماننے والا بے دین ہے۔ ایسے ہی کسی صحابی کو صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بڑھ کر ماننے والا گمراہ ہے ؛

پھر جیسے بیت المقدس اور خانہ کعبہ میں ترتیب ہے، اسی طرح خود مسجد حرم شریف کے مقامات میں بھی ترتیب ہے۔ کہ مطاف شریف جو زمانہ نبوی میں مسجد تھا، وہ باقی حصہ سے جو بعد میں مسجد میں ملایا گیا افضل ہے، حطیم شریف سب سے افضل کہ یہ جزءِ کعبہ ہے، مسجد نبوی میں منبر اور روضہ پاک کا درمیانی حصہ باقی سے افضل، کہ جنت کی کیاری ہے، اور وہ حدودِ مسجد جو بزمانہ نبوی میں تھے، اُس سے افضل ہیں۔ جو بعد میں ملائی گئے۔ پھر جتنا روضہ سے قرب اتنا درجہ زیادہ، دوسری مساجد میں صف کا داہنا حصہ بائیں سے افضل ہے۔ مگر مسجد نبوی میں بایاں حصہ دائیں سے بڑھ کر، کیونکہ روضہ پاک بائیں طرف ہے، جیسے دل بائیں پہلو میں ہے ؛

بقیہ مساجد میں بھی ترتیب ہے، سب سے افضل مسجد کعبہ، پھر بیت المقدس، پھر مسجد نبوی، پھر اپنے شہر کی جامع مسجد، پھر مسجد محلہ، پھر مسجد بازار، پھر مسجد میں بھی سب سے بہتر امام کی جگہ ہے، پھر امام کے پیچھے پھر صفِ اول کا

سید ھا حصہ، پھر بایاں، پھر دیگر صفوف۔ اور نماز جنازہ میں سب سے آخری صف افضل ہے، پھر امام سے قریب۔ دیکھو شامی وغیرہ ؛

جن چیزوں میں شریعت نے ترتیب نہ رکھی ہو، ان میں اپنی طرف سے ترتیب ایجاد کرنا سخت بُرا ہے۔ بلکہ ان سب کو بغیر ترتیب مانو۔ شامی باب الکفاۃ وغیرہ میں ایک بحث کی، کہ خاتونِ جنت افضل ہیں یا خدیجۃ الکبریٰ۔ مگر فیصلہ کیا کہ سب کو مانو، ایک آقا کی لختِ جگر ہیں، دوسری آقا کی محبوب، ہم کو ان میں ترتیب پیدا کرنا کیا ضروری۔ اسی طرح چشتی قادری وغیرہ سلسلوں میں افضلیت پر بحث کرنا محض حماقت ہے، چاروں سلسلے ایک سمندر کے چار دریا ہیں، جس دریا میں اپنی کشتی ڈال دی، سمندر میں پہنچو گے ؛

ہاں اگر کسی تالاب میں کشتی ڈال دی یعنی منقطع السلسلہ پیر کے ہاتھ میں ہاتھ دیا، تو سمندر مصطفائی میں نہ پہنچ سکو گے، اسی طرح اولیاء یا علماء میں اپنی طرف سے فرقِ مراتب ایجاد کرنا بیکار ہے، امام ابوحنیفہ اور غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں فرقِ مراتب مفید نہیں۔ کہ یہ دونوں حضرات ایک محکمہ کے افسر نہیں، وہ اپنے محکمہ علماء کے سردار، یہ اپنے محکمہ اولیاء کے افسر، اولیاء و مشائخ کو علماء کی شاگردی کی ضرورت ہے۔ اور علماء کو مشائخ کی حاجت۔ کلکٹر اور سول سرجن میں تقابل صحیح نہیں، کہ ان کی لائن اور، محکمہ علیحدہ علیحدہ ہیں اس کا خیال ضروری ہے ؛

یہ بھی خیال رہے کہ کعبہ معظمہ بیت المقدس سے اس لئے افضل ہے کہ وہ سب سے پہلے بنا، وہاں کعبہ، مقامِ ابراہیم اور سنگِ اسود وغیرہ ہے۔ اسی طرح عشاق کی نظر میں شہر مدینہ شہر مکہ سے افضل ہے، کیونکہ کعبہ مقام ابراہیم عرفات، منیٰ وغیرہ براتی ہیں، اور محمد رسول اللہ صلے علیہ وسلم اس برات کے

دولہا ہیں جن کے دم کی یہ برات ہے، مکہ میں اللہ کا گھر ہے، مدینہ میں اللہ کا نور ہے. مکہ میں پہلا گھر ہے، مدینہ میں پہلا نبی ہے، جن کی نبوت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے بھی پہلے ہے، مکہ کو خلیل اللہ نے آباد کیا، مدینہ کو حبیب اللہ نے بسایا، مکہ میں بی بی ہاجرہ سو رہی ہیں، مدینہ میں بی بی فاطمہ و عائشہ آرام فرما رہی ہیں، مکہ میں سالانہ فرشیوں کا حج ہوتا ہے، مدینہ میں روزانہ عرشیوں یعنی فرشتوں کا حج ہوتا ہے. مکہ کی طرف کھچکر دنیا کے پھل آتے ہیں، مدینہ کی طرف کھچکر شام کی زمین لائی گئی جیساکہ حدیث میں ہے. مکہ کی طرف مومنین کے سر جھکتے ہیں، مدینہ کی طرف عاشقوں کے جان و مال اور دل جھکتے ہیں ؀

صلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ و نور عرشہ سیدنا و مولٰنا محمد

و آلہ و صحبہ اجمعین برحمتہ وھو ارحم الراحمین

؀

ختم شد حصہ اول

فہرست مضامین مواعظ نعیمیہ حصہ اوّل

حاصل کرنے کا پتہ

نوری کتب خانہ بازار داتا صاحب لاہور

حضرت مولٰنا الحاج مفتی احمد یار خاں صاحب کی تصانیف

جاء الحق ۔ موجودہ زمانہ کے مختلف فیہ مسائل کا اعلےٰ فیصلہ ہے ، جس کے پاس یہ کتاب ہو ، اس سے کوئی دیوبندی ، وہابی مقابلہ نہیں کر سکتا ۔ قیمت پانچ روپے ۔

شانِ حبیب الرحمٰن ۔ حضور سیدِ دو عالم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی نعت شریف قرآنی آیات سے عجیب ، دلکش ، ایمان افروز کتاب ہے ۔ اس کے مطالعہ سے مسلمان کے دل کو سرور ہوتا ہے ، رنج و غم کافور ہو جاتا ہے ۔ قابلِ دید کتاب ہے ۔ قیمت ۔ ۵ روپے

سلطنت مصطفےٰ در مملکتِ کبریا ۔ اس مبارک رسالہ میں ثابت کیا گیا ہے کہ خدا کی خدائی میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی بادشاہی ہے ۔ آخر میں حُلیہ شریف بیان کیا گیا ہے ۔ نیا ایڈیشن معہ اضافات کے چھپا ہے ۔ قیمت ۱۲ آنے ۔

اسلامی زندگی یہ کتاب مسلمانوں کے لئے اسلامی دستور العمل ہے ۔ اس میں پیدائش سے لے کر مرنے تک کے تمام مراسم کی اصلاح کر دی گئی ہے ضمیمہ میں تجارت اور حلال پیشوں کی اہمیت بیان کی گئی ہے ۔ علاوہ ازیں مجرب عملیات بھی مذکور ہیں قیمت عہ

تفسیر نعیمی ۔ اردو زبان میں اعلےٰ تفسیر ہے ۔ اس میں ہر آیت کا گذشتہ آیات سے ربط ، شانِ نزول ۔ تفسیر ، خلاصہ تفسیر ، فوائد و مسائل ، اعتراض و جواب ۔ تفسیر صوفیانہ بیان کی گئی ہے ۔ قیمت پہلی جلد آٹھ روپے ۔ دوسری جلد چھ روپے آٹھ آنے تیسری جلد سات روپے ۔

اسرار الاحکام ۔ اسلامی عقائد ، شریعت کے مسائل ، طریقت کے مشاغل ۔ مسئلہ تسخیری معجزات وغیرہ کی اعلےٰ عقلی حکمتیں اور بہترین مثالیں بیان کی گئی ہیں اسلامی دنیا میں نئی قسم کی کتاب ہے ۔ قیمت ڈیڑھ روپیہ ۔

نوری کتب خانہ بازار داتا صاحب رح لاہور

(گلزار عالم پریس لاہور)

مولانا الحاج مفتی احمد یار خاں صاحب کی تصانیف
نوٹ دس روپے کے مال کے لئے پوری قیمت
زیادہ کیلئے آدھی قیمت پیشگی ارسال فرمادیں
شانِ حبیب الرحمٰن
قیمت صرف پانچ روپے
سلطنتِ مصطفیٰ در مملکتِ کبریا
قیمت صرف بارہ آنے
تفسیرِ نعیمی
اسرار الاحکام بہ انوار القرآن
قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے
علم القرآن لترجمۃ الفرقان
قیمت صرف دو روپے
فتاویٰ نعیمیہ
قیمت صرف دو روپے
رحمتِ خدا بوسیلہ اولیاء
قیمت صرف گیارہ آنے
حاشیۃ القرآن
(زیر طبع) ہدیہ پچیس روپے
مواعظِ نعیمیہ
امیر معاویہ پر ایک نظر
قیمت ایک روپیہ چار آنے
اسلامی زندگی
قیمت صرف ایک روپیہ ۴/
جاء الحق
قیمت صرف پانچ روپے
نئی تقریریں
قیمت صرف ایک روپیہ ۴/
رسالہ نور
پتہ ملنے کا
نوری کتبخانہ
بازار داتا صاحب لاہور
الکلام المقبول
قیمت تین آنے
علم المیراث